اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَةً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

حیاتِ سعدی

یعنی

شیخ سعدی شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) کے سوانح عمری اور اُنکی تمام تصنیفات نظم و نثر پر ریویو

مُرتّبہ

خاکسار الطاف حسین متخلص بہ حالی

۱۸۸۶ء

مجتبائی پریس واقع لاہور میں چھپی

فہرست مضامین حیات سعدی

تمت

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مشہور آدمیوں کا حال لکھنا جسکو یونانی میں بیوگرفی اور عربی میں ترجمہ یا تذکرہ کہتے ہیں کم وبیش قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اگرچہ اُسوقت زیادہ تر بہادروں کے معرکے اور دیوتاؤں کے کرشمے لوگوں کو اکثر زبانی یاد ہوتے تھے جو مناسب موقعوں پر بیان کئے جاتے تھے۔ لیکن یہودیوں کے ہاں قدما کی سرگذشتیں لکھی بھی جاتی تھیں۔ یہودیوں کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے اس طرف توجہ کی۔ چنانچہ یونان کے مشہور بیوگرفر **پلوٹارک** کی بیوگرفی جو دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی اُس عہد کے تذکروں میں ممتاز اور برگزیدہ ہے۔ اور عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں اُس زمانہ کے اولیاء۔ شہداء اور مجتہدوں کے سوانح عمری جو کسیقدر مکمل ہیں کثرت سے موجود ہیں۔ زمانہ متوسط میں مسلمانوں کی بیوگرفی سب سے زیادہ وقعت کے قابل ہے۔ لیکن ان دونوں زمانوں میں تذکرہ لکھنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کے حالات محض بطور روایت کے بیان کرتے تھے درایت کو اس میں کچھ دخل نہ دیتے تھے۔ اور بیان میں مبالغہ کو زیادہ کام میں لاتے تھے مسلمانوں کی بیوگرفی میں بھی یہی عام

خاصیت پائی جاتی ہے۔ صرف رجال حدیث کے حالات جو محدثین نے لکھے ہیں اُن میں البتہ بہت احتیاط کی گئی ہے ہر ایک شخص کے اخلاق اور خصائل راست راست بے کم و کاست لکھے گئے ہیں اور اُن کے عیب اور خوبیاں پوست کندہ بیان کی گئی ہیں۔ باقی علما اور شعرا وغیرہ کے تذکرے اکثر ایسے نہیں ہیں۔ اور چونکہ تذکرہ نویسی کا مدار محض نقل و روایت پر تھا اسلئے اُن لوگوں کے سوا جنکے حالات تاریخ میں مفصّل لکھے گئے ہیں جیسے خلفا۔ سلاطین۔ وزرا اور سپہ سالار وغیرہ) باقی تمام اہل کمال کے حالات مختصر طور پر تحریر ہوئے ہیں۔ اور مشہور سے مشہور مصنّف کی لائف بھی جداگانہ نہیں لکھی گئی۔ زمانہ حال میں یورپ کے مورخوں نے خاص کر سترہویں صدی سے بیوگرفی کو بے انتہا ترقی دی ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ کی طرح بیوگرفی نے بھی فلسفہ کی شکل اختیار کی ہے۔ حال کی بیوگرفی میں اکثر شعور رخانہ تدقیق کی جاتی ہے اور واقعات سے منطقی طور پر نتائج استخراج کئے جاتے ہیں۔ مصنّف کے کلام میں غوض کیا جاتا ہے اور اُس کے عیب اور خوبیاں صاف طور پر ظاہر کی جاتی ہیں۔ اکثر ایک ایک شخص کی لائف کئی کئی ضخیم جلدوں میں لکھی جاتی ہے۔

بیوگرفی اُن بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنہوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دُنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں اور جو انسان کی آیندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعی جمیلہ کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ خصوصاً جو قومیں علمی ترقیات کے بعد پستی اور تنزل کے درجہ کو

پہنچ جاتی ہیں اُن کے لئے بیوگرفی ایک تازیانہ ہے جو اُن کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ جب وہ اپنے اکابر و اسلاف کی زندگی کے حالات اور اُن کے کمالات دریافت کرتے ہیں تو اُن کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی عزت اور برتری کے دوبارہ حاصل کرنے کا خیال اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دُنیا میں اکثر لوگ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات صرف کتابوں میں پڑھ پڑھکر اپنے تئیں انسانیت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ **لوتھر**[1] کے دل میں جو ایک غیر معمولی تحریک پیدا ہوئی اور **بنجمن**[2] فرینکلن نے نہایت پست حالت سے اعلیٰ درجہ تک کی ترقی اور شہرت حاصل کی اُسکا بڑا سبب یہی بیوگرفی کا مطالعہ تھا۔ بیوگرفی علمِ اخلاق کی نسبت ایک اعتبار سے زیادہ سود مند ہے۔ کیونکہ علم اخلاق سے صرف نیکی اور بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے اور بیوگرفی سے اکثر نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلاف کے ستودہ کاموں کی ریس کرنیکا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔ انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ "بیوگرفی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر یہ آواز

---

[1] **لوتھر** جرمنی کا رہنے والا عیسائی مذہب کا ایک مشہور مصلح اور تمام یورپ کو پوپ کے پنجہ سے نجات دینے والا ہے سنہ ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۵۴۶ء میں فوت ہوا۔

[2] یہ شخص امریکا کا ایک مشہور فاضل ہے جسنے سب سے اول علم برق کے اصول دریافت کئے ہیں سنہ ۱۷۰۶ء میں بمقام بوسٹن پیدا۔ اور سنہ ۱۷۹۰ء میں فوت ہوا۔

دیتی ہے کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام کرو"۔ ہمارے ملک میں ہوگر فی کیطرف
ابتک کچھ توجہ نہیں ہوئی۔ ملک کی عام زبان یعنی اردو میں اب تک یا تو یورپ
کے بعض مشہور لوگوں کے حالات انگریزی سے ترجمہ ہوئے ہیں۔
یا ایسے لوگوں کے سوانح لکھے گئے ہیں جن کے حالات پڑھکر کوئی عمدہ تحریک
دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک ہندو مسلمانوں کے اکابرِ اسلاف
میں بھی ایسے بہت سے افراد نکلیں گے جن کے بڑے بڑے کام اور
اُن کے کمالات قوم کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں اور موجودہ نسلوں کا فرض
ہے کہ اُن کا نام زندہ کرنے اور آیندہ نسلوں کا دل بڑھانے کے لئے
اُن کے فضائل اور کمالات دُنیا میں شائع کریں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ قُدما میں
جو سب سے زیادہ مشہور ہیں اُن کے بھی مُفصّل حالات دستیاب ہونے
سخت دُشوار بلکہ ناممکن ہیں صرف تذکروں میں کچھ کچھ مختصر حال
درج ہے لیکن اُس سے کسی کی لائف ترتیب وار لکھنی ہرگز ممکن
نہیں ؀

ہمنے اِس خیال سے کہ شیخ سعدی شیرازی کا نام حد سے زیادہ
مشہور ہے شاید اُن کے مُفصّل حالات بہم پہونچ جائیں۔ اُن کے سوانح عمری
لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اس غرض سے اکثر فارسی تذکرے جو یہاں مل سکتے
ہیں دیکھے اور انگریزی تذکرہ سر گور اوسلی[1] صاحب کا بھی دیکھا۔

---

[1] یہ صاحب ۱۸۰۰ء میں جبکہ مارکوئس ولزلی صاحب گورنر جنرل تھے بطریق سیاحت
ہندوستان میں آئے تھے۔ شدہ شدہ لکھنؤ میں نواب سعادت علیخان کے ہاں

مگر ان تمام تذکروں میں زیادہ تر وہی شیخ کی مشہور نقلیں اور حکایتیں جو زبان زد خاص و عام ہیں تھوڑے تھوڑے تفاوت کے ساتھ مندرج پائیں۔ شیخ کی تصنیفات پر بھی اجمالی تعریف کے سوا کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے اُسکے کلام کی عظمت اور واقعی خوبیاں معلوم ہوں۔ اگرچہ یہ تمام باتیں مایوس کرنے والی تھیں مگر ہمنے اپنے ارادہ کو جسطرح ہوسکا پورا کیا۔ جسقدر صحیح اور معقول باتیں تذکروں سے معلوم ہوسکتی تھیں اُن کے علاوہ بعض حالات خود شیخ کے کلام سے استنباط کئے اور نیز اُس عہد کی تاریخ میں اکثر واقعات کا سُراغ لگایا اور کچھہ باتیں علی بن احمد جامع کُلیاتِ شیخ کے دیباچہ سے اخذ کیں۔ اور کچھہ کچھہ انگریزی کتابوں سے بھی مدد لی۔ اور اِس تمام معلومات کو جہاں تک ممکن تھا لائف کی صورت میں مُرتب کیا۔ اور شیخ کی تصنیفات کے بیان میں زیادہ تر اپنی ناچیز رائے اور تفحص پر بھروسہ کرکے یہ مضمون ختم کیا گیا۔ اگرچہ شیخ کی اصل سرگذشت میں جسقدر کہ وہ اَب تک معلوم ہوئی ہے۔ کوئی عظیم الشان واقعہ نہیں ہے لیکن جس ترتیب کے ساتھ اُس کے پراگندہ حال جمع کرکے اس کتاب میں لکھے گئے ہیں اور جس طریقہ سے اُسکی عُمدہ تصنیفات اور پاکیزہ خیالات پر بحث کی گئی ہے اُس سے امید کیجاتی ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶

[۲] نوکر ہوگئے۔ پھر گورنمنٹ کی طرف سے ایران میں سفیر ہوکر گئے۔ سفارت کے زمانہ میں ایک تذکرہ ایران کے مشہور شاعروں کا جن میں شیخ بھی شامل ہے اُنہوں نے بہت کوشش سے لکھا تھا۔

عام ناظرین کے لئے اسکا مطالعہ لُطف سے خالی نہوگا - اور خاصکر شعرا کو اس سے کسی قدر بصیرت اور نصیحت بھی حاصل ہوگی +

اِس کتاب کے دو باب اور ایک خاتمہ ہے **پہلے باب** میں شیخ کے سوانح عُمری کا بیان ہے اور **دوسرے باب** میں اُس کی تصنیفات کا مُفصل ذکر ہے اور **خاتمہ** میں اُس کے عام حالات اور عام شاعری پر بالاجمال نظر کی گئی ہے - اگرچہ اسلام کے قدیم مُصنفوں میں بے شمار لوگ ایسے گزرے ہیں جن کی عظمت اور جلالت کے سامنے شیخ کو کچھ رتبہ نہیں ہے - مگر ہمنے سب سے اوّل شیخ کا حال اِسلئے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اُس سے زیادہ کوئی مُسلمان مُصنف مقبول اور مشہور نہیں ہے اور خاصکر فارسی زبان کے شعرا میں میرے نزدیک کوئی شاعر اُس کے رتبہ کو نہیں پہنچا - لیکن اگر زمانہ نے فرصت دی تو ہمارا ارادہ ہے کہ اَور بھی چند مشہور اور ذی وقعت مُصنفوں کی سوانح عُمری اور اُن کی تصنیفات کا بیان جُدا جُدا لکھیں گے +

اَلسّعیُ مِنّا وَالاِتمَامُ مِنَ اللہِ

پہلا باب

شیخ کے سوانح عمری

شیخ کی سرگزشت بیان کرنے سے پہلے اُس مرزوم خیز خطہ کا مختصر حال لکھنا شاید بے محل نہوگا جسکی خاک سے ایسا مُفید اور مقبول مُصنّف پیدا ہوا۔ اور جہاں سے علماء و شعرا اور جلیل القدر مُصنّفوں کی ایک جماعت کثیر عروج اسلام کے ہر طبقہ اور ہر صدی میں ظہور کرتی رہی ہے۔

فارس اور شیراز کا حال

ایران کے جنوب مغربی حصہ میں خلیج فارس کے کنارہ پر پارس[1] ایک خطہ ہے جسکو عرب فارِس کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے لیکن اَب خاص اس حصّہ کو پارس کہا جاتا ہے۔ اس چھوٹی سی ولایت میں بہت سی قدرتی اور قدیم مصنوعی چیزیں ایسی ہیں کہ اُس کو دُنیا کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

---

[1] پارس جیسا کہ فرہنگ ناصری میں لکھا ہے ہوشنگ کے بیٹے کا نام تھا۔ اُسی کے نام سے قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے اور اہل یورپ اَب بھی تمام ایران کو اسی لئے پرشیا یعنی پارس کہتے ہیں لیکن جب سے کہ ایران کے ہر ایک صوبہ اور ولایت کا جُدا جُدا نام رکھا گیا اُسوقت سے پارس اس خاص ولایت کو کہنے لگے۔

تقریباً آدھا ملک پہاڑی اور آدھا میدانی ہے۔ اور جنوبی حد پر سمندر یعنی خلیج فارس ہے۔ آب و ہوا کہیں نہایت گرم ہے اور کہیں نہایت سرد ہے اکثر صحرا سرسبز و شاداب ہیں۔ جا بجا چشمے اور ندیاں جاری ہیں۔ صحرائے شاپور میں جو کہ شیراز کے نواح میں ہے ایک وسیع قطعہ ہے جسکا نام شِعبِ بَوان ہے۔ عرب کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دُنیا میں چار تفرّج گاہیں ایسی ہیں جنکا کہیں نظیر نہیں۔ صُغدِ[۱] سمرقند۔ غُوطۂ دمشق۔ نہرِ اُبُلّہ۔ اور شِعبِ بَوان اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جسکے عہدِ حکومت میں شیخ نے گلستان لکھی ہے ہمیشہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ میرے ملک میں دو چیزیں ایسی ہیں جو خوف اور اطمینان کی حالت میں بادشاہوں کے لئے ناگزیر ہیں۔ خوف کی حالت میں قلعہ سفید۔ اور اطمینان کی حالت میں نزہت گاہ شِعبِ بَوان۔ اکثر شعرائے عرب نے اِس قلعہ کی تعریف میں قصیدے لکھے ہیں جن میں سے سلامی شاعر کا قصیدہ جو عضد الدولہ دیلمی کی فرمایش سے لکھا گیا تھا بہت مشہور ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

إِذَا أَشْرَفَ الْمَحْزُونُ مِنْ رَأْسِ قَلْعَةٍ عَلَى شِعْبِ بَوَّانَ اسْتَرَاحَ مِنَ الْكُرَبِ

ترجمہ۔ جب غمگین آدمی قلعہ پر سے شِعبِ بَوان کی فضا کو دیکھتا ہے تو

۱؎ صُغد مُعرّب سُغد نشیب کی زمین اور صغد سمرقند ایک نزہت گاہ سمرقند کے قریب تھی غوطہ بھی نشیب کی زمین کو کہتے ہیں۔ اور غوطۂ دمشق ایک سیرگاہ دمشق میں تھی۔ اُبُلّہ بصرہ میں ایک پُرفضا مقام تھا وہاں ایک ندی تھی اُسکو نہر اُبُلّہ کہتے تھے یہ تینوں مقام اور شعب بوان دنیا کے چار بہشت سمجھے جاتے تھے۔

اُسکی تمام کلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔

فارس کے میوے عراق عجم میں جاتے ہیں۔ گرم پانی کے چشمے اور مفید کانیں فارس میں موجود ہیں۔ فارس کے آثار قدیمہ دُنیا کے اُن عجائبات میں سے ہیں جنکو اگلے زمانہ کے لوگ جن اور پری کے کام سمجھتے تھے۔ جیسے تختِ جمشید۔ نقش شاپور۔ دخمۂ فریدوں۔ اور خانۂ زردشت اِنکا مُفصل حال ایران کی انگریزی تاریخوں میں مذکور ہے۔ اِنھیں آثار قدیمہ کی نسبت عُرفی شیرازی نے کہا ہے ؎

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ ‌ ‌ آثار پدید است صنادیدِ عجم را

اسکے سوا اور بہت سی خصوصیتیں ایسی ہیں جنکے دیکھنے سے انسان کے قویٰ میں شگفتگی اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ فارس کے اکثر شہر مردُم خیز سمجھے گئے ہیں۔ جیسے یزد۔ میبذ۔ گازرُون۔ فیروزآباد۔ بیضا۔ شیراز وغیرہ۔ اِن شہروں میں کثرت سے عُلماء و فضلا اور ادیب و شاعر پیدا ہوئے ہیں جن کی تصنیفات مسلمانوں میں اب تک موجُود ہیں۔ خصوصاً **شیراز** جو کہ صدہا سال ایران کا پایۂ تخت رہا ہے۔ مُسلمان ایرانیوں نے جس طرح **قم** کو دارالمؤمنین اور **یزد** کو دارالعُبّاد کا خطاب دیا ہے اسی طرح **شیراز** کو دارالعلم کے لقب سے مُلقب کیا ہے۔ اگرچہ شیراز کا علم و فضل زمانہ کے انقلاب اور سلطنت اسلامیہ کے تنزّل سے اب نہایت پست حالت میں ہے لیکن اُسکی موجُودہ نسلوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قدیم بلندی اور برتری کے نشہ میں اب تک

بدمست ہیں - حاجی لطف علی خان آذر نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شیراز کے چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے صحبت اور جلسوں پر فریفتہ ہیں کسب معاش اسقدر کرلیتے ہیں کہ کسی کے محتاج نہ ہوں - تھوڑی سی آمدنی پر قانع رہتے ہیں اور ہمیشہ سیرگاہوں اور قہوہ خانوں میں جمع ہوتے ہیں ٭

شیراز کی بنیاد اسلام کے زمانہ میں پڑی ہے **محمد بن قاسم** جسنے مسلمانوں میں سب سے اول ہندوستان پر لشکرکشی کی ہے شیراز کا بانی ہے یہ شہر پہلی صدی ہجری کے اخیر میں ایک نہایت سرسبز و شاداب قطعۂ زمین پر آباد کیا گیا ہے - تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ شیراز کے مکانات بہت وسیع اور بازار پُر رونق ہیں اور گھر گھر نہر جاری ہے شاید ہی کوئی مکان ایسا ہو جسمیں ایک عمدہ باغ اور نہر نہ ہو" - پھر صفاریوں[۱] اور دیلمیوں[۲] کے عہد میں شیراز نے اور بھی زیادہ وسعت اور رونق حاصل کی - عضدالدولہ دیلمی کے زمانہ میں اُسکی آبادی اس درجہ کو پہنچی کہ شہر میں اہل لشکر کی گنجایش نہ رہی اور شہر کے باہر ایک جدید عمارت بنائی گئی جسکا نام سوق الامیر رکھا گیا اور اُسکے بیٹے صمصام الدولہ نے اُس جدید عمارت کے گرد پختہ فصیل کھنچوائی ٭

شیراز کی آب و ہوا نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد بلکہ نہایت معتدل اور

---

[۱] صفاریوں میں تین بادشاہ ہوئے چالیس برس اُن کی سلطنت رہی ۱۲

[۲] دیلمیوں میں اٹھارہ بادشاہ ہوئے جن کی حکومت ۱۴۸ برس رہی ۱۲

خوشگوار ہے شیخ سعدی اور خواجہ حافظ اور اور اکثر پرانے اور نئے شاعروں نے شیراز کی تعریف میں اشعار اور قصیدے لکھے ہیں از انجملہ خواجہ حافظ کا یہ شعر مشہور ہے ؎

بدہ ساقی مَی باقی کہ در جنت نخواہی یافت کنارِ آبِ رکناباد و گلگشت مصلیٰ را

شیخ علی حزین نے بارھویں صدی ہجری میں جبکہ شیراز کی رونق بالکل جا چکی تھی اُسکو دیکھا ہے وہ اپنے سوانح عمری میں اُسکی بہت سی تعریف کے بعد لکھتا ہے کہ "شیراز کی آب وہوا دماغ کے ساتھ نہایت مناسبت رکھتی ہے جسقدر چاہو کتاب کے مطالعہ اور فکر و غورِ مضامین میں مصروف رہو کبھی جی نہ اُکتائیگا"۔

اس میں شک نہیں کہ شہر کا قدرتی موقع اور آب وہوا کی خوبی اور عمارات کی لطافت و خوش اسلوبی باشندوں کے خیالات اور قویٰ پر عجیب اثر رکھتی ہے یہی سبب ہے کہ شیراز کے اکثر مشائخ اور علما و شعرا پاکیزہ طبع اور لطیف و ظریف ہوئے ہیں شیخ نے بوستان کے دیباچہ میں اہل شیراز کو اُن تمام اشخاص پر ترجیح دی ہے جنسے وہ حالتِ سفر میں ملا تھا شیراز سے جسقدر علما و مشائخ و شعرا و مصنفین ابتدا سے اخیر تک اُٹھے ہیں اور جن کا حال مسلمانوں کے تذکروں میں جابجا مذکور ہے اُن کی تعداد سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس شہر کی خاک علم و ہنر کے ساتھ کسقدر مناسبت رکھتی ہے اور شیخ کے کلام کی بے نظیر شہرت اور مقبولیت سے ثابت ہے کہ شیخ کا وجود بھی شیراز کے لئے کچھ کم باعثِ افتخار نہ تھا۔

شیخ کا نام - نسب - ولادت اور بچپن

اُس کا نام شرف الدین اور مُصلح لقب اور سعدی تخلص ہے سرگور اوسلی نے اُسکی ولادت ۵۸۰ ہجری مطابق ۱۱۸۴ء میں لکھی ہے مگر تحقیق[1] یہ ہے کہ وہ سال مذکور سے بہت برسوں پہلے اتابک مُظفر الدین تکلہ بن زنگی کے عہد حکومت میں پیدا ہوا ہے - شیخ کی ولادت کے کئی برس بعد اتابک سعد زنگی اپنے بھائی تکلہ بن[2] زنگی کی جگہ تخت شیراز پر متمکن ہوا تھا - چونکہ شیخ نے سعد زنگی کے عہد میں شعر کہنا شروع کیا تھا - اور نیز شیخ کا باپ عبد اللہ شیرازی سعد کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھا اسلئے اُس نے اپنا تخلص سعدی قرار دیا - شیخ کا باپ جیسا کہ اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے ایک باخدا اور متورع آدمی تھا - شیخ کے بچپن کا حال اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ نماز و روزہ کے مسائل اُسکو بہت تھوڑی عمر میں یاد کرا دئے گئے تھے اور

---

[1] اُسکی ولادت کا سال کسی نے نہیں لکھا صرف سال وفات سب نے لکھا ہے یعنی ۶۹۱ ہجری اور اُسکی عمر ۱۰۲ یا ۱۱۰ یا ۱۲۰ برس کی بتائی ہے پس کم سے کم عمر ماننے سے اُسکی ولادت ۵۸۹ ہجری میں قرار پاتی ہے لیکن اس سے لازم آتا ہے کہ ابوالفرج ابن جوزی جو بغداد میں اُسکا جلیل القدر اُستاد تھا اُسکی وفات کے وقت جو کہ قطعاً ۵۹۷ ہجری میں ہوئی ہے شیخ کی عمر نو برس سے زیادہ نہ ہو اور یہ بالکل خلاف واقع ہے اسی لئے اُسکی عمر ۱۰۲ برس سے زیادہ تسلیم کرنی چاہئے ۱۲

[2] بوستان میں تکلہ کو شاہان پیشین میں لکھا ہے حالانکہ سعدی اُس کے وقت میں پیدا ہو لیا تھا اسکا سبب یہ ہے کہ بوستان تکلہ سے چوتھے بادشاہ یعنی ابوبکر کے عہد میں لکھی گئی ہے پس شاہان پیشین سے وہ بادشاہ مراد ہیں جو ابوبکر سے پہلے تھے نہ وہ جو سعدی سے پہلے تھے ۱۲

بچپن ہی میں اُسکو عبادت شب بیداری اور تلاوت قُرآن مجید کا کمال شوق تھا۔ عید اور تہواروں میں ہمیشہ باپ کے ہمراہ رہتا تھا اور کہیں آوارہ پھرنے نہ پاتا تھا۔ باپ اُسکے افعال و اقوال کی نگرانی عام باپوں کی نسبت بہت زیادہ کرتا تھا اور بے موقع بولنے پر زجر و توبیخ کرتا تھا۔ شیخ نے اپنی تربیت کا بڑا سبب اسی باپ کی تادیب اور زجر و توبیخ کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ بوستان میں کہتا ہے ؎

نداند کہ سعدی مکان انچہ یافت　　نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت
بخردی بخورد از بزرگان قفا　　خدا دادش اندر بزرگی صفا

لیکن شیخ کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ اُسکو کم سن چھوڑ کر مرگیا تھا باپ کی وفات کے بعد غالباً شیخ کی والدہ نے اُسکو تربیت کیا ہوگا کیونکہ اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کی حالت میں اُس کی ماں زندہ تھی۔ کئی تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ علّامہ قطب الدین شیرازی جو کہ مُحقق طوسی کا شاگرد رشید۔ اور ہولاکو خان کا مُصاحب خاص تھا شیخ کا ماموں یا قریب کا رشتہ دار تھا مگر بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور علامہ کے باہم ایسی بے تکلفانہ ہنسی اور چہل ہوتی تھی جو ماموں بھانجوں میں نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال شیخ اور علامہ دونوں ہمعصر تھے اور شاید کچھ قرابت بھی رکھتے ہوں ؛

شیخ کی تعلیم کا حال

اگرچہ شیخ کا باپ ایک درویش مزاج آدمی تھا اور بچپن میں شیخ کو نسبت

بچپن ہی میں اُسکو عبادت شب بیداری اور تلاوت قُرآنِ مجید کا کمال شوق تھا - عید اور تہواروں میں ہمیشہ باپ کے ہمراہ رہتا تھا اور کہیں آوارہ پھرنے نہ پاتا تھا - باپ اُسکے افعال و اقوال کی نگرانی عام باپوں کی نسبت بہت زیادہ کرتا تھا اور بے موقع بولنے پر زجر و توبیخ کرتا تھا - شیخ نے اپنی تربیت کا بڑا سبب اسی باپ کی تادیب اور زجر و توبیخ کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ بوستان میں کہتا ہے ؎

ندانی کہ سعدی مکان از چہ یافت　　　نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت
بخردی بخورد از بزرگاں قفا　　　خدا داوش اندر بزرگی صفا

لیکن شیخ کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ اُسکو کم سن چھوڑ کر مر گیا تھا باپ کی وفات کے بعد غالباً شیخ کی والدہ نے اُسکو تربیت کیا ہوگا کیونکہ اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کی حالت میں اُس کی ماں زندہ تھی - کئی تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ علّامہ قطب الدین شیرازی جو کہ محقق طوسی کا شاگرد رشید - اور ہلاکو خان کا مُصاحب خاص تھا شیخ کا ماموں یا قریب کا رشتہ دار تھا مگر بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور علامہ کے باہم ایسی بے تکلفانہ ہنسی اور چہل ہوتی تھی جو ماموں بھانجوں میں نا زیبا معلوم ہوتی ہے - بہر حال شیخ اور علّامہ دونوں ہمعصر تھے اور شاید کچھ قرابت بھی رکھتے ہوں ؎

شیخ کی تعلیم کا حال

اگرچہ شیخ کا باپ ایک درویش مزاج آدمی تھا اور بچپن میں شیخ کو نسبت

بعد سلطان غیاث الدین نے بہت سے لشکر کے ساتھ آکر شیراز کو ایسا
تاخت وتاراج کیا کہ اُسکی تباہی اور بربادی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا۔
ایسی حالت میں تحصیلِ علم کی فرصت شیخ کو وطن میں ملنی دشوار بلکہ ناممکن
تھی۔ اِسکے علاوہ امن کے زمانہ میں بھی وطن کے مکروہات اور موانع ہمیشہ
تحصیلِ علم میں رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ یہ اسباب تھے جنہوں نے شیخ کو
ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ چنانچہ ذیل کے اشعار میں اُنے شیراز سے تنگ آکر بغداد
جانے کا ذکر کیا ہے ؎

دلم از صحبتِ شیراز بکُلّی بگرفت — وقت آنست کہ پُرسی خبر از بغدادم
سعدیا حُبِ وطن گرچہ حدیثیست صحیح — نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ۔ میرا دل شیراز کی صحبت سے تنگ آگیا۔ اب وہ وقت ہے کہ مجھ سے
بغداد کا حال پوچھو۔ اے سعدی وطن کی مُحبّت اگرچہ صحیح بات ہے۔ مگر
اِس ضرورت سے کہ میں یہاں پیدا ہوا ہوں سختی میں مرا نہیں جاتا۔

اُس زمانہ میں مسلمانوں کے بیشمار مدرسے بلادِ اسلام میں جابجا کُھلے
ہوئے تھے جہاں دُور دُور سے طالبعلم آکر علم تحصیل کرتے تھے۔ ہرات۔
نیشاپور۔ اصفہان۔ بصرہ اور بغداد میں خواجہ نظام الملک طوسی نے الپ ارسلان
کے بنائے ہوئے مدرسے آباد اور معمور تھے۔ انکے سوا شام[1]۔ عراق اور مصر وغیرہ

[1] اِنمیں سے مدرسہ ناصریہ ملک الناصر صلاح الدین کا بنایا ہوا قدس میں اور مدرسہ رواحیہ۔ رواحہ کے
پوتے زکی ابو القاسم ہبتہ اللہ کا۔ اور نیز مدرسہ ست الشام خاتون بنت ایوب خواہر صلاح الدین کا
اور دار الحدیث ملک عادل بن ایوب کا دمشق میں اور مستنصریہ خلیفہ مستنصر باللہ کا بغداد میں

جگہ جگہ مدرسے جاری تھے لیکن سب سے زیادہ شہرت نظامیہ بغداد نے حاصل کی تھی جسکو خواجہ نظام الملک طوسی نے ۴۵۹ھ ہجری میں بنوایا تھا ہزاروں جلیل القدر عالم اور حکیم اس مدرسہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں جنکی تصنیفات اب تک مسلمانوں میں موجود ہیں۔ یہ مدرسہ اسقدر نامور تھا کہ جو علماء یہاں کے پڑھے ہوئے مشہور ہو جاتے تھے پھر اُن کے مستند اور ذوی اعتبار ہونیمیں کسیکو شبہ نرہتا تھا۔ امام ابو حامد غزالی۔ شیخ عراق عبد القاہر سہروردی اُستاد الائمہ ابو حامد عماد الدین موصلی اور اور بڑے بڑے جلیل القدر عالموں نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ شیخ کو اس مدرسہ میں آنے کی ترغیب اس سبب سے اور بھی زیادہ ہوئی ہوگی کہ اُس کا ہموطن شیخ ابو اسحاق شیرازی جسکا علم و فضل شہرۂ آفاق تھا مُدت تک اس مدرسہ کا مُتولی رہا تھا۔ جسوقت نظام الملک نے بغداد میں یہ مدرسہ قائم کیا تھا تو سب سے اول یہاں کا مُتولی شیخ ابو اسحاق کو مُقرر کیا تھا۔ اور اس سبب سے اہل شیراز کو اس مدرسے ایک خاص نسبت اور لگاؤ تھا۔

الغرض شیخ نے مدرسہ نظامیہ میں جاکر تحصیل علم شروع کی۔ اور جیسا کہ بوستان میں اُسنے تصریح کی ہے وہاں سے اُس کے لئے کچھ وظیفہ بھی مُقرر

م اور صاحبیہ وزیر صفی الدین کا قاہرہ میں اور نوریہ نورالدین ارسلان شاہ صاحب موصل کا موصل میں بہت مشہور تھے۔ انکے سوا جیسا کہ تاریخ ابن خلکان سے معلوم ہوتا ہے اور بہت سے مدرسے جیسا مدرسہ ثقفیہ۔ قاہریہ۔ عزیزیہ۔ عزیہ۔ زینبیہ۔ نفیسیہ۔ علائیہ وغیرہ وغیرہ بیت المقدس۔ موصل۔ بغداد۔ دمشق اور اسکندریہ وغیرہ میں موجود تھے۔

ہو گیا تھا۔ بغداد میں جن لوگوں سے شیخ نے پڑھا تھا اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور نامور شخص علامہ ابو الفرج عبد الرحمن ابنِ جوزی ہے جسکا لقب جمال الدین ہے۔ یہ شخص حدیث اور تفسیر میں اپنے وقت کا امام تھا بہت سی کتابیں اسکی تصنیفات سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اُسنے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میں نے جن قلموں سے حدیث لکھی ہے اُن کا تراشہ میرے حجرہ میں ہے۔ مرنے کے بعد جب مجھکو نہلائیں تو غسل کے لئے اُس تراشہ سے پانی گرم کریں۔ چنانچہ اُس کی وصیت کے موافق عمل کیا گیا۔ اور پانی گرم ہو کر کچھ تراشہ بچ رہا۔

جس زمانہ میں شیخ بغداد میں علامہ ابنِ جوزی سے پڑھتا تھا اُسوقت شیخ کی جوانی کا آغاز تھا۔ دولت شاہ سمرقندی اور سر گور اوسلی نے لکھا ہے کہ ابنِ جوزی سے تحصیل علم کرنے کے بعد شیخ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح سے بیعت کی تھی اور اُن سے علم تصوف اور طریق معرفت و سلوک حاصل کیا۔ اور پہلی مرتبہ اُنہیں کے ساتھ بیت اللہ کے حج کو گیا۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی وفات ۵۶۱ ہجری میں یعنی شیخ سعدی کی ولادت سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے اُسکو صحبت رہی ہے۔ اور ایکبار سفرِ دریا میں وہ اُن کے ساتھ رہا ہے۔

شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں اُس کے ہم عمر اور ہمسر لوگ اُس کی خوش بیانی اور حسنِ تقریر پر رشک کرتے تھے۔

چنانچہ ایکبار اُسنے اُستاد سے شکایت کی کہ فلاں طالب علم مجھ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے جب ہیں آپس میں بیٹھکر مسائلِ علمیہ بیان کرتا ہوں تو وہ حسد سے جل جاتا ہے اُستاد یہ سُنکر شیخ پر غصے ہوا اور یہ کہا کہ اَوروں کے رشک وحسد کی تو شکایت کرتے ہو اور اپنی بدگوئی اور غیبت کو بُرا ہیں سمجھتے۔ تم دونو اپنی عاقبت خراب کرتے ہو وہ رشک وحسد سے اور تم بدگوئی وغیبت سے ۔

شیخ کو بچپن سے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے فقر اور درویشی کیطرف زیادہ میلان تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں بھی وہ برابر وجد وسماع کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ اور علامہ ابوالفرج ابن جوزی ہمیشہ اُسکو سماع سے منع کرتا تھا مگر شیخ کو سماع کا ایسا چسکا تھا کہ اِس باب میں کسیکی نصیحت کارگر نہوتی تھی۔ لیکن علمار کی سوہائی آہستہ آہستہ اُس کے دل میں گھر کرتی جاتی تھی۔ آخر ایک روز کسی مجلس میں اُسکو ایک بدآواز قوال سے پالا پڑا اور بضرورت ساری رات اُس بکرو صحبت میں بسر ہوئی۔ صحبت کے ختم ہونے پر آپ اپنے سر سے مُنڈاسا اُتارا اور جیب میں سے ایک دینار نکالا اور یہ دونوں چیزیں قوال کی نذر کیں۔ اصحابِ مجلس کو اِس حرکت سے تعجب ہوا۔ شیخ نے یاروں سے کہا کہ مینے آج اِس شخص کی کرامت مشاہدہ کی ہے۔ میرا مُربی اُستاد ہمیشہ سماع سے منع کرتا تھا مگر مینے اُس کے حکم کی تعمیل نہ کی اور برابر سماع میں شریک ہوتا رہا۔ آج خوش قسمتی سے اِس مبارک جلسے میں آنا ہوا اور اِس بزرگوار قوال کے تصرف سے مینے ہمیشہ کے لئے

سماع سے توبہ کی ؂

شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی صحبت سے عالمِ طالب علمی ہی میں تصوف اور درویشی کے خیالات اُس کے دل سے اُتر گئے تھے۔ وُہ کہتا ہے کہ ایک شخص خانقاہ کو چھوڑ کر مدرسہ میں چلا آیا۔ میں نے پوچھا کہ عالم اور درویش میں کیا فرق دیکھا جو اُس طریقہ کو چھوڑ کر اس کوچہ میں قدم رکھا۔ کہا درویش صرف اپنی جان بچانے میں کوشش کرتے ہیں اور علماء چاہتے ہیں کہ اپنے ساتھ ڈوبتوں کو بھی بچائیں ؂

شیخ نے شعر میں اکثر یہ بات جتائی ہے کہ اُسکو کسی سرزمین کے ساتھ عراق یا بغداد سے بڑھکر تعلق نہیں رہا۔ چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے ؎

بعد از عراق جائے خوش نایدم ہوا ے ساقی بزن نوائے زاں پردۂ عراقی

جس زمانہ میں شیخ نظامیہ بغداد میں پڑھتا تھا اگرچہ اُسوقت حقیقت میں عباسیوں کی خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا مگر ظاہری شان و شوکت ہارون اور مامون کے عہد کو یاد دلاتی تھی۔ عباسیہ کا اخیر خلیفہ مُستعصم باللہ سریر سلطنت پر متمکن تھا۔ اور اُس کے عہد میں گویا بغداد کی خلافت نے چند روز کے لئے سنبھالا لیا تھا۔ اطرافِ عالم کے اکابر و اشراف اور ہر علم و فن کے ماہر اور اربابِ حرفت و صنعت مدینۃ السلام بغداد میں جمع تھے عیش و عشرت کے سامان حد سے زیادہ ہر طرف مُہیّا نظر آتے تھے۔ خلیفہ کی عظمت اور رُعب و داب سے بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ لرزتے تھے۔ اور بڑے بڑے شہریار اور فرمان روا بارگاہِ خلافت میں مشکل سے

باریاب ہوتے تھے۔ قصرِ خلافت کے آستانہ پر ایک پتھر بمنزلہ حجر الاسود کے پڑا ہوا تھا۔ جسکو اُمرا اور اعیانِ سلطنت قصرِ خلافت میں داخل ہوتے وقت بوسہ دیتے تھے تہواروں میں جس راہ سے خلیفہ کی سواری نکلتی تھی وہاں ایک مُدت پہلے سے رستہ کے تمام منظر اور بالاخانے کرایہ داروں سے رُک جاتے تھے۔ الغرض عبّاسیہ کا یہ آخری جاہ و جلال شیخ نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ اور پھر اُسی آنکھ سے اُس دارالخلافہ کا بے چراغ ہونا جو چھ سو برس بوسہ گاہِ مُلوک و سلاطین رہا تھا اور اُس خاندان کی بربادی جسکا سایۂ اقتدار یُورپ۔ ایشیا اور افریقہ پر برابر پڑتا تھا اور خلیفہ اور اُسکی اولاد اور ہزارہا بنی عبّاس اور کئی لاکھ اہل لشکر اور اہل بغداد کا تاتاریوں کی تیغ بیدریغ سے قتل ہونا اور عرب کے سطوت اور اقتدار کا ہمیشہ کے لئے صفحۂ روزگار سے مٹ جانا مُشاہدہ کیا تھا۔ شیخ نے وہ تمام اسباب بھی دیکھے تھے جو مُستعصم باللہ کی تباہی اور عبّاسیہ کے زوال کا باعث ہوئے اور وُہ ظلم و ستم بھی اُسکی آنکھوں کے روبرو گزرے تھے جو ہلاکو خان کے خونخوار لشکر نے بغداد میں برپا کئے۔ اِن حوادث و واقعات کا تماشا شیخ کے لئے ایک نہایت عُمدہ سبق تھا جس نے اُسکے دِل میں قوم کی دِلسوزی بادشاہوں کی اصلاح۔ رعایا کی ہمدردی۔ اور ہر طبقہ کے لوگوں کی بھلائی کا خیال پیدا کر دیا تھا اور اِسی خیال کی بدولت اُس نے اپنی تمام عُمر ابنائے جنس کی نصیحت اور خیر اندیشی میں صرف کی۔ مُستعصم باللہ کا نہایت دردناک مرثیہ شیخ نے اُسوقت لکھا ہے جب کوئی شخص اُس کا

رونے والا اور خود اسلام کے سوا کوئی اُسکا ماتمدار اور سوگوار دُنیا میں باقی نہ تھا۔ اِس مرثیہ کی چند ابیات اِس موقع پہ نقل کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں ٭

ابیات

	اشعار		ترجمہ
۱-	آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمیں بر زوال ملک مستعصم امیر المؤمنیں	۱-	آسمان کا فرض ہے کہ مستعصم کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔
۲-	اے محمد گر قیامت برآری سر ز خاک سر برآور ویں قیامت درمیان خلق بیں	۲-	اے محمد (صلعم) اگر آپ قیامت ہی کو مرقد سے باہر نکلیں گے تو ابھی نکلکر قیامت دُنیا میں دیکھ لیجئے۔
۳-	نازنیناں حرم را خون خلق نازنیں ز آستاں بگذشت و ما را خون دل از آستیں	۳-	محل کے نازپروردوں کے حلق کا خون ڈیوڑھی سے بہ گیا اور ہمارے دلکا خون آستین سے ٹپک نکلا۔
۴-	زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار در خیال کس نگشتی کانچناں گردد چنیں	۴-	زمانہ کی گردش اور دُنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہیئے یہ بات کسیکے خیال میں بھی نہ آتی تھی کہ یُوں سے یُوں ہو جائیگا۔
۵-	دیدہ بردار ایکہ دیدی شوکت بیت الحرام	۵-	جنہوں نے اُس بیت الحرام کی شان و

	قیصرانِ روم سر بر خاکِ خاقاں بر زمیں		شوکت دیکھی ہے جہاں روم کے قیصر اور چین کے خاقان خاک پر سر رگڑتے اور زمین پر بیٹھتے تھے وہ ذرا آنکھ اوٹھا کر دیکھیں ۔
۶ ۔	خونِ فرزندانِ عمِّ مصطفیٰ شد ریختہ ہم بر آں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں	۶ ۔	کہ پیغمبر خدا کے بنی عم کا خون اُس خاک پر بہہ گیا جہاں سلاطین ماتھا رگڑتے تھے ۔
۷ ۔	بعد ازیں آسایش از دُنیا نباید چشم داشت تیرہ انگشتری ماند چو برخیزد نگیں	۷ ۔	آیندہ دُنیا سے آرام کی توقع رکھنی نہیں چاہئے کیونکہ انگوٹھی پر سے جب نگین جاتا رہتا ہے تو بُری کلونس رہجاتی ہے ۔
۸ ۔	دجلہ خونابست زیں پس گر نہد سر در نشیب خاک نخلستانِ بطحا را کند با خوں عجیں	۸ ۔	دجلہ کا پانی بتر لہو ہوگیا ہے اگر اب جاری رہیگا تو نخلستان بطحا کی خاک کو خون سے رنگین کر دیگا ۔
۹ ۔	نوحہ لایق نیست بر خاکِ شہیداں زانکہ ہست کمتریں دولت مر ایشاں را بہشتِ برتریں	۹ ۔	شہیدوں کی خاک پر نوحہ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اُن کے لئے ادنی نعمت فردوس بریں ہے

۱۰۔ لیکن از روئے مسلمانی و راہِ مروت
مہربان را دل بسوزد در فراقِ نازنین

۱۰۔ ہاں مگر رحم اور اسلام کی ہمدردی کے سبب دوست کا دل دوست کی جدائی میں کڑھتا ہے۔

۱۱۔ باش تا فردا کہ بینی روزِ داور رستخیز
کز لحد با روئے خون آلودہ برخیزد دفین

۱۱۔ کل تک صبر کرو قیامت کے دن دیکھ لینا کہ قبر سے اہلِ قبر لہو بھرا مونہ لیکر اٹھیں گے۔

۱۲۔ تکیہ بر دنیا نباید کرد و دل بر وے نہاد
کاسمان گاہے بمہر است ای برادر گہ بکین

۱۲۔ یار دنیا پر بھروسا کرنا اور اس سے دل لگانا نہیں چاہئے کیونکہ آسمان کبھی دوست ہے اور کبھی دشمن۔

۱۳۔ زورِ بازوئے شجاعت بر نیاید با اجل
چون قضا آید نماند قوتِ رائے رزین

۱۳۔ شجاعت کا زور موت پر غالب نہیں آسکتا اور جب قضا آتی ہے تو رائے صائب کی قوت باقی رہتی ہے۔

۱۴۔ تیغِ ہندی بر نیاید روزِ ہیجا از نیام
شیر مردی را کہ باشد مرگ پنہان در کمین

۱۴۔ جس بہادر کی گھات میں اجل ہوتی ہے اُس کی اصیل تلوار لڑائی کے دن میان سے باہر نہیں نکلتی۔

۱۵۔ تجربت بیفایدہ ست آنرا کہ برگردید بخت
حملہ آوردن چہ سود آنرا کہ برگردید زین

۱۵۔ جب نصیب پلٹ گیا پھر اُسکا امتحان کرنا بیفائدہ ہے، اور جب زین اُلٹ گیا پھر حملہ کرنا فضول ہے۔

یار و مُردار دُنیا کے لئے گِدّ کیسے لڑ رہے ہیں اگر تم عقلمند ہو تو سیمرغ کی طرح الگ بیٹھو ۔	۱۶-	گرگسانند از پے مردارِ دُنیا جنگجوے اے برادر گر خردمندی چو عنقا بر کران نشیں	۱۶-

شیخ پر بعض اِمامیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مستعصم باللہ جیسے نالائق اور ناشدنی خلیفہ کا مرثیہ لکھنا شیخ کی شان سے نہایت بعید تھا۔ اگرچہ اس بات کا انکار نہیں ہوسکتا کہ مستعصم باللہ میں دانائی نیکی اور انصاف بالکل نہ تھا۔ تکبر اور غرور نے اُسکے دماغ کو مختل کر دیا تھا۔ غفلت اور بے پروائی کی نوبت یہاں تک پہونچی تھی کہ ایکبار اُس کے بیٹے ابوبکر نے اہل سنت کی حمایت اور طرفداری میں کرخ کے بنی ہاشم پر نہایت سخت ظلم اور تعدی کی جس کے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مگر اُس نالائق خلیفہ نے اسکا کچھ تدارک نہ کیا۔ لیکن اس سے شیخ کے مرثیہ لکھنے پر کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مستعصم باللہ کو کیسا ہی نالائق اور قابل نفرین سمجھو۔ مگر یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اُسکے بگڑنے سے نہ صرف بنی عباس کی حکومت دُنیا سے اُٹھ گئی بلکہ مشرق سے مغرب تک جہاں جہاں عرب کے قدم جمے ہوئے تھے ایکبارگی اُن میں تزلزل آگیا اور چند روز میں اُن کا اقتدار صفحۂ ہستی سے یکقلم محو ہوگیا۔ پس جس شخص کے رگ و پئے میں عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی رہا ہوا تھا یا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر اسلام کی حمیت تھی اُسکے لئے اس سے بڑھکر اور کیا مصیبت ہوسکتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنی عم کا خون تاتاری حبشیوں کے ہاتھ سے آب باران کی طرح بہایا گیا اور جس عمارت کی بنیاد خلفائے راشدین کے

ہُنرمند ہاتھوں نے ڈالی تھی وہ چشم زدن میں ایک خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ شیخ نے حقیقت میں مُستعصم باللہ کا مرثیہ نہیں لکھا بلکہ اِسلام کا مرثیہ لکھا ہے۔ اور اگر اِس موقع پر حسان بن ثابت موجود ہوتے تو اُن کو بھی ایسا ہی مرثیہ لکھنا پڑتا۔ مُستعصم کے حال پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

ہمارے بعد بہت روئے ہم کو اہل وفا
کر اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا

القصہ شیخ مدرسہ نظامیہ سے نکلکر مدت دراز تک ایشیا اور افریقہ میں برابر سیر و سیاحت کرتا رہا۔ جب کتاب کے مُطالعہ سے اُس کا جی سیر ہو گیا تو نسخۂ کائنات کا مطالعہ شروع کیا۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اُس نے تیس برس کی عمر تک تحصیل علم کی ہے اور تیس برس سیر و سفر میں اور تیس برس تصنیف و تالیف میں اور تیس برس عُزلت نشینی میں بسر کئے ہیں۔ اگرچہ تیس تیس برس کے چار ساوی حصے مقرر کرنے تکلّف سے خالی نہیں۔ اور غالباً یہ مضمون منوشاستر سے اخذ کیا گیا ہے جسمیں عمر کو ایسے تین یا چار حِصّوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر اِسمیں شک نہیں کہ شیخ کی عمر کا بڑا حصّہ تحصیل علم اور سیر و سفر میں بسر ہوا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ عالم صوفیوں میں سے تھا اور علوم و آداب سے بہرۂ کامل رکھتا تھا۔ اگرچہ اُسکی شُہرت طبقۂ عُلماء میں اِسقدر نہیں ہوئی جسقدر زمرۂ شعرا میں ہوئی مگر اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مُحقق اور سُلجھا ہوا عالم تھا۔ بعض موقعوں پر فقہا اور قضاۃ کے مجمعوں میں اُسکو بحث و مُناظرہ کا اِتفاق ہوا ہے اور آخر کو اُسکی رائے سب پر غالب رہی۔

ہے۔ ایکبار غالباً شام یا عراق کے کسی شہر میں جہاں اُس کے جان پہچان کم تھے کسی تقریب سے قاضی شہر کی مجلس میں اُسکا گزر ہوا۔ اُسوقت شیخ نہایت شکستہ حال تھا اور مجلس میں تمام علما، و فقہار کمال تزک و احتشام سے بیٹھے تھے۔ شیخ سادگی سے سب کے برابر جا بیٹھا۔ خدام نے جھڑک کر وہاں سے اٹھا دیا اور مشکل سے پائین مجلس جگہ ملی۔ اُسوقت کسی مسٔلہ میں گفتگو ہو رہی تھی اور کسی سے وہ عُقدہ حل نہوتا تھا۔ شیخ نے دور ہی سے بآواز بلند کہا کہ اگر مجھکو اجازت ہو تو اسباب میں مَیں بھی کچھ کہوں۔ سب شیخ کی طرف متوجہ ہو گئے اور ایک کم حیثیت آدمی کی ایسی جرأت پر سب کو تعجب ہوا۔ شیخ نے اِس مسٔلہ کو بہت خوبی اور فصاحت سے بیان کیا۔ چاروں طرف سے تحسین و آفرین ہونے لگی قاضی نے مسند چھوڑ دی اور عمامہ سر سے اوتار کر شیخ کے سامنے رکھدیا۔ شیخ نے کہا یہ غرور کا اوزار مجھے نہیں چاہئے۔ جب لوگ مجھکو حقیر اور ذلیل معلوم ہونگے تو پھٹے پُرانے کپڑے والوں سے میں بھی تمہاری طرح ناک چڑہاؤں گا۔ اِسی طرح اور بہت سے طعن اور ملامت کے الفاظ کہکر وہاں سے چلدیا۔ شیخ نے یہ اپنی سرگزشت بوستان میں اِس طرح بیان کی ہے کہ گویا کسی غیر شخص کی سرگزشت ہے مگر اخیر کے شعر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے خاص اپنی رُوداد لکھی ہے۔

شیخ کی تحصیل اور تبلیغ علم کا حال دریافت ہونا مُشکل ہے مگر ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے فلسفہ اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی تھی۔ بنیادہ تر اُس کی ہمت دینیات اور علم سلوک و علم ادب کی جانب مصروف

رہی اور خاصکر وعظ اور خطابت میں جسکی تعلیم مدرسۂ نظامیہ میں باقاعدہ طور سے ہوتی تھی اُسکو عمدہ دستگاہ تھی - طالب علمی ہی کے زمانہ میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اُسکے ہم جماعت لوگ اُسکی خوش بیانی پر رشک کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ بلادِ شام میں اُسنے مدتوں وعظ کہا ہے - وہ لکھتا ہے کہ میں ایکدفعہ جامع بعلبک میں وعظ کہہ رہا تھا اور اہلِ مجلس نہایت افسردہ دل تھے جن کو کچھ اثر نہ ہوتا تھا - میں اِس آیت کے معنی بیان کر رہا تھا کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدْ کہ ایک راہرو وہاں سے گزرا - اُسنے میرا بیان سُن کر ایسا پُرجوش نعرہ مارا کہ اَور لوگ بھی اُس کے ساتھ چیت گئے اور تمام مجلس گرم ہوگئی +

شیخ کو علاوہ علم و فضل کے اکثر زبانوں سے واقفیت تھی - عرب، شام اور مصر وغیرہ میں رہتے رہتے وہاں کی زبان گویا اُسکی مادری زبان ہوگئی تھی - وعظ اور بحث و مُباحثہ اور تمام معاملات عربی زبان میں کرتا تھا - اور صرف روزمرہ کی بول چال ہی پر قدرت نہ تھی بلکہ عربی قصائد فصیح اور بامزہ اُسکے کُلیات میں موجود ہیں - اس کے سوا تنجانہٴ سومنات کے قصّہ میں اُس نے ایک جگہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ژندکی زبان جانتا تھا - سر گور اوسلی لکھتے ہیں کہ ایشیاٹک جنرل کے ایک پرچہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں فرانس کے مشہور محقق ام گارسن ڈی ٹیسی نے لکھا ہے کہ "سعدی پہلا شخص ہے جسنے ہندوستانی زبان یعنی ریختہ میں جبکہ وہ سومنات اور گجرات میں آیا تھا شعر کہا ہے" مگر یہ ایک مغالطہ ہے جو نہ صرف محقق مذکور کو بلکہ اُس سے پہلے ہندوستان کے

تذکرہ نویسوں کو بھی ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ دکن میں بھی ایک شاعر سعدی تخلص اُس زمانہ میں ہوا ہے جبکہ ریختہ کی بُنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اسکی وفات کو تقریباً چار سو برس گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ریختہ میں سب سے پہلے اُسنے شعر کہا ہے اور یہ تین شعر اُس کے مشہور ہیں *

اشعار

قشقہ چو دیدم بر رُخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے — گفتا کہ دُزد اے باورے اس ملک کی یہ ریت ہے
ہم نا تُمھن کو دل دیا۔ تم دل لیا اور دُکھ دیا — ہم یہ کیا تُم وُہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے
سعدی بگفتا ریختہ در ریختہ دُر ریختہ — شیر و شکر آمیختہ ہم ریختہ ہم گیت ہے

مرزا رفیع سودا نے اپنے تذکرہ میں ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی کے نام پر لکھا ہے مگر حکیم قدرت اللہ خان قاسم نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اِس شخص کو سعدی شیرازی سمجھنا جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں نے دھوکا کھایا ہے محض غلط ہے *

سر گور اوسلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ کی ایک نظم دیکھی گئی ہے جس میں اُسنے اٹھارہ مختلف زبانیں اُن ملکوں کی لکھی ہیں جہاں جہاں وُہ سیاحی کو گیا ہے" اس بیان میں ظاہرا کچھ مُبالغہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ایک مُدت دراز تک وہ ایشیا اور افریقہ کے مُختلف مُلکوں میں سفر کرتا رہا ہے اور اکثر جگہ اُسنے بہت بہت دیر تک قیام کیا ہے۔ شام۔ عراق۔ فلسطین۔ مصر۔ یمن اور ہندوستان میں مُدت دراز تک مقام کرنا خود اُس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے پس ضرور ہے کہ وہ ان مُلکوں کی زبان سے کافی واقفیت رکھتا ہو

اسکے سوا اُسنے اور بہت سے ملکوں کی سیر کی ہے جنمیں سے اکثر کا ذکر گلستاں اور بوستاں میں کیا ہے

شیخ کی سیاحت کا حال

سر گور اوسلی لکھتے ہیں کہ مشرقی سیاحوں میں ابن بطوطا کے سوا شیخ سعدی سے بڑھکر اور کوئی سیاح ہمنے نہیں سُنا۔ اُسنے ایشیائے کوچک۔ بربر۔ حبش مصر۔ شام۔ فلسطین۔ آرمینیا۔ عرب جملہ ممالک ایران۔ اکثر ممالک توران۔ ہندوستان۔ رودبار۔ دَیلم۔ کاشغر۔ اور جیحوُن سے آگے تک اور بصرہ و بغداد سے ستفقین[1] وال تک کی سیر کی تھی،، صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ کو چار دفعہ ہندوستان میں آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ از انجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلمش کے وقت میں اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی میں آیا ہے،، ہمارے نزدیک یہ مضمون محض بے سروپا ہے۔ اغلمش کوئی بادشاہ ہندوستان میں نہیں ہوا۔ شاید سلطان التمش کے دھوکے میں اغلمش لکھا گیا۔ بے شک شیخ نے اغلمش کا ذکر گلستان میں ایک جگہ کیا ہے جہاں یہ لکھا ہے کہ،، سرہنگ زادہ را بر درِ سرای اغلمش دیدم،، مگر ہندوستان میں کوئی اغلمش یا سرای اغلمش نہیں سُنی گئی۔ سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ اگرچہ اکثر تذکرہ نویسوں کو یہ شبہہ ہوا ہے۔ شیخ آذری نے بھی اپنی کتاب جواہر الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ امیر کے

---

[1] ستفقین وال سے مُراد شاید سدِ سکندری ہے کیونکہ شیخ نے ایک جگہ اپنے دیوان میں تصریح کی ہے کہ میں سدِ سکندری تک گیا ہوں،،

دیکھنے کو شیراز سے ہندوستان میں آیا ہے۔ مگر اسکا کچھ ثبوت نہیں ہے بلکہ شیخ اور امیر خسرو کے عصر کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا امیر کے ملنے کے لئے آنا خلاف قیاس ہے۔ خسرو کی ولادت ۶۵۱ھ ہجری میں ہوئی ہے جبکہ شیخ کی عمر ستر برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اب اگر امیر خسرو کی شہرت بفرض محال پچیس برس ہی کی عمر میں ایران تک پہنچ گئی تھی تو اسوقت شیخ کی عمر تقریباً سو برس کی ہونی چاہیئے۔ پس یہ کیونکر خیال میں آتا ہے کہ ایک سَو برس کا شیخ جو شاعری میں یگانۂ وقت اور مقبول خاص و عام ہو ایک پچیس برس کے لڑکے کی شہرت سُنکر ایران سے ہندوستان میں آے۔

البتہ معتبر حوالوں سے اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے قاآن محمد سلطان ناظم ملتان نے جسکو خان شہید کہتے ہیں۔ شیخ سے دوبار درخواست کی کہ آپ شیراز سے یہاں آئیے۔ اور چونکہ امیر خسرو اُسوقت محمد سلطان کے مصاحبوں میں تھے اسلئے اُن کا کلام بھی شیخ کے ملاحظہ کے لئے بھیجا۔ شیخ اُسوقت بہت مُعمّر ہو گیا تھا اِس سبب سے خود نہ آسکا۔ لیکن دونو دفعہ اپنے دو دیوان اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے خان شہید کو بھیجے اور امیر خسرو کی نسبت یہ لکھا کہ اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہیئے۔

شیخ کا ہندوستان میں چار دفعہ آنا بھی ثابت نہیں ہے۔ صرف بوستان سے اِتنا معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے سومنات سے نکلکر اکثر مغربی ہندوستان کا دَورہ کیا ہے اور وہاں سے بحرِ ہند اور بحرِ عرب کی راہ یمن اور حجاز میں پہنچا ہے۔

شیخ کے سفر جسقدر گلستان اور بوستان سے ثابت ہوتے ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے کہ مشرق میں خُراسان تُرکستان اور تاتار تک گیا ہے اور بلخ و کاشغر وغیرہ میں مقیم رہا ہے۔ جنوب میں سومنات تک آیا اور ایک مُدّت تک یہاں ٹھیرا اور سومنات سے مغربی ہندوستان میں پھر کر دریا کی راہ سے عرب کو چلا گیا۔ شمال اور مغرب کی طرف عراقِ عجم۔ آذربیجان۔ عراقِ عرب۔ شام۔ فلسطین۔ اور ایشیاے کوچک میں بارہا اُس کا گزر ہوا ہے۔ اصفہان۔ تبریز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ واسط۔ بیت المقدس۔ طرابلس الشرق۔ دمشق۔ دیار بکر۔ اور اقصاے روم کے شہروں اور قریوں میں مُدّت دراز تک اُسکی آمد و رفت رہی ہے۔ مغرب کی جانب عرب اور افریقہ میں اُسکا بار بار جانا اور وہاں ٹھیرنا معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان سے مراجعت کے وقت یمن میں جانا۔ صنعا میں ایک مُدّت تک قیام کرنا۔ حجاز میں پہنچنا۔ الحند۔ یہ مصر اور حبش کے واقعات اُسکے کلام میں مذکور ہیں۔

شیخ نے دریا میں بھی بارہا سفر کیا ہے۔ خلیج فارس۔ بحر عمان۔ بحرِ ہند۔ بحرِ عرب۔ بحرِ قلزم اور بحر روم میں اُس کے مُتعدد سفر ثابت ہوتے ہیں۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ وہ یورپ کے اکثر ملکوں میں پھرا ہے لیکن شیخ کے کلام سے کہیں یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودہ حج پیادہ پا کئے ہیں اور خود شیخ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے وہ ایک سفر کا حال بوستان میں اسطرح لکھتا ہے کہ بیابانِ فید میں ایک رات نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں چلتے چلتے سرِ راہ پڑ کر

سو رہا - پیچھے سے ایک شتر سوار آیا اور اُسنے اونٹ کی نکیل میرے سر پر مار کر کہا کہ کیا تو نے مرنے کا ارادہ کیا ہے جو جرس کی آواز سُنکر بھی نہیں اُٹھتا -

بیابان فید جسکا اس حکایت میں ذکر ہے ایک صحراے لق و دق چہ سو میل لمبا اور چار سو میل چوڑا ہے - جو حجاج کوفہ سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں اُنکے رستہ کے بیچوں بیچ فید ایک بستی ہے جسکے نام سے یہ صحرا مشہور ہے - فید کوفہ سے تقریباً تین سو پچیس میل ہے اور اسیقدر مسافت پر وہاں سے مکہ معظمہ ہے - اِس صحرا میں پانی نہایت کمیاب ہے اور آبادی کہیں نظر نہیں آتی ایسی راہ سے پیادہ پا حج کو جانا ظاہر کرتا ہے کہ شیخ نے کیسی کیسی صعوبتیں سفر میں اٹھائی ہیں ؞

کریم خان زند نے اپنے عہد حکومت میں شیراز کے قریب ایک احاطہ بنوایا ہے جو ہفتن کے نام سے مشہور ہے اُسمیں سات مجہول الاسم درویشوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں اور احاطہ کے دروازہ پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ کی شبیہیں نصف قد کی لگی ہوئی ہیں - کپتان کلارک نے جو بوستان کا ترجمہ انگریزی میں چھاپا ہے اُس میں شیخ کی اُس تصویر[۱] کا فوٹوگراف بھی چھاپا ہے شیخ کی شبیہ میں ایک کشکول اُسکے ہاتھ میں ہے اور ایک تبر اُسکے کندھے پر ہے جو کہ اُس ملک کے سفر کرنے والوں کی خاص علامت ہے -

شیخ کے کلام سے بھی جابجا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ بے سرو سامان اور متوکل درویشوں کی طرح سفر کرتا رہا ہے - اور بعض موقعوں پر اُس کو

---

[۱] مینی صاحب ایک سیاح نے اپنے ایران کے سفرنامہ میں اس تصویر کا حال مفصل لکھا ہے -

حالتِ سفر میں نہایت سخت تکلیفیں اور ایذائیں پہنچی ہیں ۔

ساتویں صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں جنگ صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ فلسطین میں ختم ہوا تھا اور مسلمان اور عیسائیوں کے باہم سخت خصومت اور عداوت ہو رہی تھی۔ شیخ پر ایک سخت واقعہ گزرا ہے جسکا ذکر گلستاں کے دوسرے باب میں کیا ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایکبار اہل دمشق سے ناراض ہو کر اُسنے بیابانِ قدس یعنے فلسطین کے جنگلوں میں رہنا اختیار کیا تھا اور آدمیوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا ۔ آخر وہاں کے عیسائیوں نے اُسکو پکڑ کر قید کر لیا ۔ اُسوقت طرابلس الشرق یعنی مشرقی ٹریپولی میں شہر کے استحکام اور حفاظت کے لئے خندق تیار ہو رہی تھی اور یہودی اسیروں سے (جنکو یوروپ کے عیسائی بلگیریا اور ہنگری وغیرہ سے گرفتار کر کے ساتھ لائے تھے) مزدوری کا کام لیا جاتا تھا ۔ شیخ کو بھی یہودیوں کے ساتھ خندق کے کام پر لگایا ۔ مدت کے بعد حلب کا ایک معزز آدمی جو شیخ کا واقفکار تھا اُس طرف سے گزرا اور شیخ کو پہچان کر اُس سے پوچھا کہ یہ کیا حالت ہے ۔ شیخ نے کچھ درد انگیز اشعار پڑھے اور یہ کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جو شخص یگانوں سے کوسوں بھاگتا تھا وہ آج بیگانوں کے پنجہ میں گرفتار ہے ۔ رئیس حلب کو اُس کے حال پر رحم آیا اور دس دینار دیکر شیخ کو قید فرنگ سے چھوڑا دیا اور اپنے ساتھ حلب میں لے گیا ۔ اُسکی ایک بیٹی ناکتخدا تھی ۔ شیخ کا نکاح سو دینار مہر مقرر کر کے اُسکے ساتھ کر دیا ۔ کچھ مدت وہاں گذری ۔ مگر بیوی کی بدمزاجی اور زبان درازی سے شیخ کا دم

ناک میں آگیا - ایکبار اُسنے شیخ کو یہ طعنہ دیا کہ کیا آپ وہی نہیں جسکو میرے باپ نے دس دینار دیکر خرید اہے؟ شیخ نے کہا ہاں بیشک میں وہی ہوں دس دینار دیکر مجھے خریدا اور سَو دینار پر آپکے ہاتھ بیچا ۔

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ نے بہت مدت تک بیت المقدس اور شام کے شہروں میں سقائی کی ہے - غالباً یہ وہی زمانہ ہے جسکا ذکر اِس حکایت میں کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُسپر ایسی ایسی تکلیفیں اور سختیاں اکثر گذری ہیں - وہ گلستاں میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں نے کبھی زمانہ کی سختی اور آسمان کی گردش کا شکوہ نہیں کیا - مگر ایک موقع پر دامن استقلال ہاتھ سے چھوٹ گیا کہ نہ میرے پاؤں میں جوتی تھی اور نہ جوتی خریدنے کا مقدور تھا - اسی حالت میں غمگین اور تنگدل کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا - وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ جس کے پاؤں ہی سرے سے نہ تھے - اُسوقت مینے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ننگے پاؤں غنیمت سمجھے ۔

عالم غربت میں کبھی کبھی عسرت اور تنگی کا ہونا ایک لازمی امر تھا مگر شیخ ایسے موقعوں پر خودداری کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا - ایکسال اسکندریہ میں جب کہ شیخ وہاں موجود تھا نہایت سخت قحط پڑا اور درویشوں پر بہت سختی گذرنے لگی - اُس زمانہ میں وہاں ایک ہیجڑا نہایت دولت مند تھا - غریبوں اور پردیسیوں کو اُسکے ہاں سے کھانا یا نقدی ملتی تھی - کچھ درویش جو غالباً شیخ کے رفقا میں سے تھے شیخ کے پاس آئے اور اُس ہیجڑے کے ہاں دعوت میں چلنے کی تحریک کی - شیخ نے اُن کے ساتھ دعوت میں چلنے سے

انکار کیا اور یہ کہا کہ شیر بھوک کے مارے مر بھی جائے تو بھی کتّے کا جھوٹا نہیں کھاتا۔

شیخ کے وقائع سفر میں جو کہ اُسنے گلستاں اور بوستاں میں بیان کئے ہیں سب سے زیادہ عجیب سومنات کا واقعہ ہے جو بوستان کے آٹھویں باب میں مذکور ہے یعنی شیخ لکھتے ہیں کہ "جب میں سومنات میں پہنچا اور ہزاروں آدمیوں کو دیکھا کہ ایک بُت کی پرستش کیلئے دُور دُور سے وہاں آتے ہیں اور اُس سے مُرادیں مانگتے ہیں تو مجھکو تعجب ہوا کہ جاندار ایک بیجان چیز کی کس لئے پرستش کرتے ہیں۔ اس بات کی تحقیق کے لئے میں نے ایک برہمن سے ملاقات پیدا کی۔ ایکروز اُس سے پوچھا کہ یہ لوگ اس بیحس مُورت پر کیوں اسقدر فریفتہ ہیں اور اُس کے سامنے مُورت کی سخت مذمت اور حقارت کی۔ برہمن نے مندر کے پوجاریوں کو خبر کردی۔ سب نے مجھکو آنکر گھیر لیا۔ میں نے مصلحتاً اُن کے سرگروہ سے کہا کہ میں نے کوئی بات بداعتقادی سے نہیں کہی۔ میں خود اس مُورت پر فریفتہ ہوں لیکن چونکہ میں نو وارد ہوں اور اسرار نہانی سے ناواقف ہوں اسلئے اس کی حقیقت دریافت کرنی چاہتا ہوں تاکہ سمجھ بوجھ کر اس کی پوجا کروں۔ اُسنے یہ بات پسند کی اور کہا کہ آج رات کو تو مندر میں رہ۔ تجھکو اصل حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ میں رات بھر وہاں رہا۔ صبح کے قریب تمام بستی کے مرد و عورت وہاں جمع ہوگئے اور اُس مُورت نے اپنا ہاتھ اٹھایا جیسے کوئی دعا مانگتا ہے یہ دیکھتے ہی سب جے جے پکارنے لگے۔

جب وُہ لوگ چلے گئے تو برہمن نے ہنسکر مجھ سے کہا "کیوں اب تو کچھ شبہہ باقی نہیں رہا؟ مَیں ظاہرداری سے رونے لگا اور اپنے سوال پر شرمندگی اور انفعال ظاہر کیا۔ سب برہمنوں نے مجھ پر مہربانی کی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اُس مُورت کے سامنے لیگئے۔ مینے مُورت کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور بظاہر چند روز کے لئے برہمن بنگیا۔ جب مندر میں میرا اعتبار بڑھ گیا تو ایکروز رات کو جب سب چلے گئے مینے مندر کا دروازہ تو بند کر دیا اور مُورت کے تخت پاس جاکر غور سے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ وہاں مجھے ایک پردہ نظر آیا جسکے پیچھے ایک پوجاری چھپا ہوا بیٹھا تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک ڈور تھی۔ معلُوم ہوا کہ جب اُس ڈور کو کھینچتا ہے فوراً اُس مُورت کا ہاتھ اُٹھ جاتا ہے اِسی کو عام لوگ اُسکا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ اُس پوجاری نے جب دیکھا کہ راز فاش ہوگیا وُہ کھسیانا سا ہوکر وہاں سے بھاگا۔ میں بھی اُس کے پیچھے دَوڑا اور اِس خوف سے کہ کہیں مجھکو پکڑوا کر مروا نہ ڈالے اُسکو پکڑ کر ایک کنوئے میں گرا دیا۔ اِسکے بعد میں فوراً وہاں سے بھاگ نکلا اور ہندوستان میں ہوتا ہوا یمن کے رستے حجاز میں پہنچا۔

اِس حکایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ایک ایسے بڑے مندر میں جہاں ہزارہا پوجاری اور سیکڑوں بھجن گانے والے مرد اور عورت اور سیکڑوں جاتری شب و روز موجود رہتے تھے وہاں ایک مشتبہ آدمی کو ایسا موقع کیونکر ملا کہ تمام مندر میں اُس کے سوا کوئی متنفس باقی نہ رہا۔ اِسکے سوا ایسے سناٹے کے وقت جبکہ مندر میں کوئی متنفس موجود

نہ تھا پردہ کے پیچھے ایک پوجاری کا ڈور تھام کر بیٹھنا کس غرض سے تھا اور کیوں تھا ۔

اِس اعتراض کے جواب میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید اصل واقعہ یعنی سومنات میں جانا اور مندر میں ہندو بنکر رہنا اور ایک شخص کو اپنی جان کے خوف سے کنوے میں دھکیل کر بھاگ جانا صحیح ہو مگر بصورت میں یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اس واقعہ کے تمام جزئیات کی تصویر شیخ سے پوری پوری نہیں کھچ سکی ۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ نظم میں بیان کیا جاتا ہے تو شاعر کو اکثر وزن وقافیہ کی ضرورت سے کہیں کہیں اصل مدعا میں ضرور کمی بیشی کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات وہ شاعرانہ خیالات کی رَو میں بہکر اصل واقعہ سے دور پڑ جاتا ہے ۔ پس اگر اُس واقعہ سے کسیکی غرض متعلق نہیں ہوتی تو کسیکو اُسکی طرف التفات نہیں ہوتا ۔ ورنہ اہل غرض کو اُسپر اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے ۔ مثلاً شیخ نے بوستان کے اِسی باب میں ایک بادشاہ زادہ کی حکایت صرف گیارہ بیت کی لکھی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ گھوڑے سے گرکر اُسکی گردن کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ وہ ہر پھیر نہ سکتی تھی مگر ایک حکیم کے علاج سے اچھی ہو گئی ۔ کسی قدر مدت کے بعد جب طبیب ملنے کو آیا تو اُس کی طرف کچھ التفات نہ کیا ۔ طبیب وہاں سے دل میں ناخوش ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا ۔ دوسرے روز ایک دوا بھیجی کہ اِس کی دھونی سے بالکل آرام ہو جائیگا ۔ اُس سے بادشاہ کو ایک چھینک آئی اور اُسکی گردن جیسی چوٹ لگنے پر ہو گئی تھی ویسی ہی پھر

ہوگئی۔ اسی حکایت کو شیخ نے ایک اور ۴۷ ۳۳ بیت کی مثنوی میں جو بحر ہزج میں ہے بیان کیا ہے اور یہ اُسکی کلیات میں موجود ہے۔ اِن دونوں مثنویوں میں قصّہ کے جزئیات مختلف ہیں۔ مختصر حکایت میں سرزمین یونان کا حکیم اور طولانی حکایت میں صرف حکیم لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بوٹی بھیجی تھی۔ اور دوسری جگہ ایک تخم بھیجا تھا۔ ایک جگہ بادشاہ کا قصہ لکھا ہے۔ اور دوسری جگہ ایک نبرد آزما کا۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ اُسی دوا کی دھونی سے چھینک آئی دوسری جگہ چھینک وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں۔

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ نظم میں بشرطیکہ ناظم کو حسن بیان اور زینت الفاظ کا پورا پورا خیال ہو قصّہ کے جزئیات کا اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا نہایت دشوار ہے۔ پس بہ نسبت اسکے کہ شیخ پر غلط بیانی کا الزام لگایا جاے یہ بہتر ہے کہ اُس کے بیان کو اِس مقام پر ادائے مطلب میں قاصر سمجھا جائے۔

شیخ کا سفر کے بعد وطن میں آنا

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ شیخ نے سعد زنگی کے ابتدائے حکومت میں تحصیل علم کے لئے ترکِ وطن اختیار کیا تھا۔ سعد زنگی چھٹی صدی کے آخر میں تخت نشین ہوا اور ۶۲۳ ہجری میں وفات پائی۔ غالباً شیخ شیراز سے نکلکر سعد زنگی کے زمانہ میں وطن نہیں آیا۔ کیونکہ اُس نے شیراز سے چلتے وقت وہاں کی حالت نہایت ابتر و خراب دیکھی تھی۔

اتابک اوزبک پہلوان اور سلطان غیاث الدین کے حملے اور شہر کا تاخت و تاراج ہونا اپنی آنکھ سے دیکھ گیا تھا - مگر جب سعد زنگی کا بیٹا قتلغ خان ابو بکر اپنے باپ کی جگہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اُسنے فارس کو جو دو سو برس سے مورد آفات و حوادث تھا چند روز میں سرسبز و شاداب کر دیا - اگرچہ مؤرخین نے اسکی تعریف میں بہت مُبالغے کئے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ اُس نے اپنی خوبیوں کے سبب بے انتہا شہرت اور نیکنامی حاصل کی تھی - اطراف و جوانب سے مشائخ و زہاد اُسکی شُہرت سنکر آتے اور اُن کی کمال تعظیم و احترام کیا جاتا تھا - شیراز کی خانقاہیں - عبادتخانے - مدرسے - اور مسجدیں جو ویران ہو گئی تھیں اُسکے عہد میں آباد کی گئیں - اور ایسی عمارتوں کی امداد کے لئے گانو اور جاگیریں وقف کیں - ایک شفاخانہ شیراز میں بنوایا اور بڑے بڑے حاذق طبیب اُس پر مور کئے - اپنی دانشمندی اور حسنِ تدبیر سے مُلک فارس کو ہمیشہ مغول تاتار کی سیلاب بلا سے جسکی کہیں پناہ نہ تھی محفوظ رکھا - اور سنہ ۶۲۳ ہجری سے سنہ ۶۵۸ ہجری تک سلطنت کی - مُدت تک اُس کے عہد میں بھی شیخ نے شیراز کا رُخ نہیں کیا اور اطراف و جوانب میں سیر و سیاحت کرتا رہا - مگر جب ابو بکر کا شُہرہ دُور و نزدیک برابر سُننے میں آیا اور وطن کا اشتیاق بھی حد سے زیادہ گزر گیا اور وطن میں قرار واقعی امن و امان قایم ہو گیا تب شام سے عراق عجم ہوتا ہوا اور اصفہان میں ٹھہرتا ہوا جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے مفہوم ہوتا ہے شیراز میں پہنچا - شیخ کے کُلیات میں ایک قطعہ ملتا ہے جس سے ثابت ہے کہ اُسنے ایک مُدت دراز کے بعد ابو بکر سعد کے عہد

ہیں شیراز کیطرف معاودت کی تھی - وہ قطعہ بجنسہ یہاں نقل کیا جاتا ہے

قطعہ

۱- ندانی کہ من در اقالیم غربت
چرا روزگارے بکردم درنگی

ترجمہ ۱- تجھکو معلوم نہیں؟ کہ میں نے پردیس میں ایک مدت تک کیوں توقف کیا۔

۲- بروں رفتم از تنگ ترکاں کہ دیدم
جہاں درہم افتادہ چوں موئے زنگی

۲- میں ترکوں کی چپقلش سے نکل بھاگا کیونکہ ملک حبشی کے بالوں کیطرح ژولیدہ ہو رہا تھا۔

۳- ہمہ آدمی زادہ بودند لیکن
چو گرگاں بخونخوارگی تیز چنگی

۳- سب آدمی کے بچے تھے لیکن خونخواری میں بھیڑیوں کی طرح تیز ناخن تھے۔

۴- دروں مردمے چوں ملک نیک محضر
بروں لشکرے چوں ہژبراں جنگی

۴- شہر کے اندر فرشتہ خصلت لوگ تھے اور باہر لشکر کے لوگ جنگی شیروں کے موافق تھے۔

۵- چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم
پلنگاں رہا کردہ خوئے پلنگی

۵ جب میں پلٹ کر آیا تو ملک کو آسودہ پایا کہ درندوں نے درندگی کی خصلت چھوڑ دی تھی۔

۶- چناں بود در عہد اول کہ دیدم
جہاں پر ز آشوب و تشویش و تنگی

۶- اگلے زمانہ میں جبکہ ملک کو آشفتہ اور پریشان اور تنگ دیکھا تھا ملک کا

۷۔	چنیں شد در ایّام سلطانِ عادل اتابک ابوبکر بن سعدِ زنگی	۷۔	وُہ حال تھا۔ اور اب بادشاہ عادل ابوبکر بن سعد زنگی کے عہد میں یہ حال ہوگیا ہے +

شیراز میں پہنچکر ظاہرا شیخ نے جامۂ علم وفضیلت اُتار کر بالا ئے طاق رکھدیا تھا کیونکہ اتابک ابوبکر میں باوجود اُن تمام خوبیوں کے جو اوپر مذکور ہوئیں ایک نہایت سخت عَیب بھی تھا۔ وُہ ہمیشہ عُلما وفضلا سے بدگمان رہتا تھا اور جاہل فقیروں اور درویشوں کو بہت کچھ دیتا اور اُن کے ساتھ کمال اِرادت وعقیدت ظاہر کرتا۔ اِسی بدگمانی کے سبب سے چند جلیل القدر ائمہ وعُلما کو اُسنے جبرًا شیراز سے نکلوادیا تھا۔ ازانجملہ امام صدر الدین محمُود واعظ اور امام شہاب الدین توہ پشتی اور مولانا عزّالدین ابراہیم قیسی کو کہ اقسامِ علوم میں یگانۂ روزگار تھے بہت زجر وتہدید کے ساتھ شیراز سے نکلوادیا۔ قاضی عزّالدین علوی جو کہ سندی سید اور دار الملک کا قاضی القضاۃ تھا اُس کا تمام مال واسباب ضبط کرلیا۔ صاحب سعید عمید الدین اسعد کو جو کہ بےمثل ادیب تھا اور سعد زنگی کا نہایت عالی مرتبہ وزیر تھا ماخوذ کیا اور مع اُس کے بیٹے تاج الدّین محمّد کے ایک قلعہ میں قید کردیا یہاں تک کہ وُہ قید ہی میں مرگیا +

اِسی سبب سے اہل علم اپنا کمال علمی ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اور اکثر جہلا مشائخ کے لباس میں جلوہ گر ہوتے تھے۔ تاریخ وصّاف میں لکھا ہے کہ

ایک جاہل آدمی مشیخت مآب بنکر ابوبکر کے دربار میں آیا - اتابک نے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی اور جب نماز مغرب کا وقت آیا تو اسی کو امام بنایا - شاہ صاحب نے قراءت غلط پڑھی مگر جسقدر انہوں نے قرأت میں غلطیاں کیں اُسی قدر اتابک کو اُن کے ساتھ زیادہ عقیدت ہوئی اور بہت کچھ دیکر انہیں رخصت کیا +

پس شیخ کے لیئے علما کے لباس میں رہنا زیادہ خطرناک تھا کیونکہ بہت سی صفات اُس میں ایسی جمع تھیں جن کے سبب سے اُسکا مرجع خلائق بنا ایک ضروری امر تھا - مثلاً علم و فضل - شاعری - لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی فقر و درویشی وغیرہ وغیرہ اور اہل علم کے مرجع خلائق بننے سے ابوبکر ہمیشہ خائف رہتا تھا - اِسکے علاوہ بادشاہوں اور عاملوں کے چال چلن پر خورده گیری کرنی - ریاکار فقیروں اور جاہل درویشوں کی قلعی کھولنے اور اسی طرح کے اور بہت سے مفید خیالات اپنی نظم و نثر میں ظاہر کرنے شیخ کا اصلی مقصد تھا اور اس غرض کے لیئے علما اور واعظین کے لباس میں رہنا ہرگز مناسب نہ تھا ظاہرا وہ اسی سبب سے جیسا کہ گلستان کے دیباچہ میں مذکور ہے - ابوبکر کے دربار میں بہت کم جاتا تھا - زیادہ تر سعد بن ابی بکر کو جسکا نہایت دردناک مرثیہ شیخ کے کلیات میں موجود ہے اُس سے ارادت اور عقیدت تھی اور اُسی کے نام پر گلستان لکھی گئی ہے -

خودمختار سلطنتوں میں کوئی شئے رائے کی آزادی اور خاصکر بادشاہوں کے چال چلن پر آزادانہ رائے دینے سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتی - مگر شیخ نے

جسکے وقت میں ہر بادشاہ حاکم علی الاطلاق تھا اس فرض کو پورا پورا ادا کیا ۔
سلاطین عہد کے اخلاقی عیب اور اُن کی بدخصلتیں جسطرح اُسنے بیان کی ہیں آزاد سلطنتوں میں بھی اُس سے زیادہ لکھنی مشکل ہیں مگر اُسنے ایسے لطیف پیرایوں میں اُنپر چوٹیں کی ہیں کہ کسیکو اُسپر گرفت کا مَوقع نہیں ملا ۔
اکثر سلاطین سلف کی حکایتوں کے ضمن میں موجودہ بادشاہوں کے چال چلن پر اُسنے تعریضیں کی ہیں ۔ کہیں مدحیہ قصائد میں اول مدح وستائش کی تھوڑی سی چاٹ دیکر نصیحت و پند کا دفتر کھولا ہے اور اُن کو ظلم اور تعدی کے بُرے نتائج سے متنبہ کیا ہے اور طرح طرح سے رعیت کے حقوق جتائے ہیں ۔
اور اُن کی بے اعتدالیاں ظاہر کی ہیں ۔ اتابک جو علما کا مخالف اور مشائخ وزہاد کا حد سے زیادہ معتقد تھا اُسکی تنبیہ کے واسطے گلستان اور بوستان میں اُسنے بہت سی حکایتیں لکھی ہیں ۔ مثلاً گلستان کی ایک حکایت میں کسی درویش کا حال لکھا ہے جو کہ جنگل میں رہتا تھا اور درختوں کے پتے کھاتا تھا ۔ ایک بادشاہ اُس کی زیارت کو گیا اور اُس کو شہر میں لے آیا اور ایک عمدہ بُستاں سرا میں اوتارا ۔ چندروز جو اچھے اچھے کھانے کھانیکو اور نفیس کپڑے پہننے کو اور خوبصورت لونڈیاں خدمت کرنے کو ملیں اور ہر طرح کا آرام اور آسایش پائی شاہ صاحب نے خوب رنگ و روغن نکالا ۔ ہئیت اور صورت بالکل بدل گئی ۔ ایکدن بادشاہ قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا اور کہا جسقدر کہ مجھکو علما اور زہاد سے محبت ہے ایسی اور کسی گروہ سے نہیں فیلسوف وزیر نے عرض کیا حضور ! شرط دوستی یہ ہے کہ دونوں کے

ساتھ بھلائی کیجائے اور اسلئے علما کو روپیہ دینا چاہئے تاکہ اطمینان سے درس اور تصنیف میں مصروف رہیں اور زاہدوں کو کچھ نہ دینا چاہئے تاکہ وہ اپنے زہد پر قایم رہیں +

ایک اَور اس سے زیادہ لطیف اور چبھتی ہوئی حکایت اسی باب میں لکھی ہے جو بالکل اتابک ابوبکر کی حالت کے مناسب ہے یعنی "ایک بادشاہ کو سخت مُہم پیش آئی اُسنے منت مانی کہ اگر اس میں کامیابی ہوگی تو اسقدر روپیہ زاہدوں کی نذر کروں گا جب اُس کی مُراد پوری ہوگئی تو اپنے عہد کے مُوافق روپیوں کی تھیلی غلام کو دی کہ زاہدوں کو جاکر دے آئے غلام بہت ہوشیار اور زیرک تھا۔ سارے دن اِدھر اُدھر پھرا اور شام کو تھیلی ہاتھ میں لئے جیسا گیا تھا ویساہی چلا آیا اور عرض کیا حضور! ہرچند ڈھونڈا مگر کوئی زاہد نہیں ملا۔ بادشاہ نے کہا تو کیا بکتا ہے! میرے نزدیک اس شہر میں چارسو زاہد سے کم نہونگے کہا حضور! جو زاہد ہیں وہ تو لیتے نہیں اور جو لیتے ہیں وہ زاہد نہیں۔ بادشاہ یہ بات سُنکر ہنس پڑا اور فرمایا جتنی کہ مجھکو درویشوں اور خداپرستوں سے عقیدت ہے اُسی قدر اس مردود کو اُن سے عداوت ہے مگر کہتا سب سچ ہے" اسی طرح کی اَور بہت سی حکایتیں گلستان اور بوستان میں موجود ہیں۔ گلستان کی ایک حکایت میں جوکہ جدالِ سعدی کے نام سے مشہور ہے اُس نے نہایت خوبصورتی سے سلاطینِ عہد اور مشائخ روزگار کے عیب اور برائیاں بیان کی ہیں۔ اس حکایت میں اُسنے اپنا اور ایک درویش کا غالباً فرضی مناظرہ

لکھا ہے جسمیں مخالف کو درویشوں کا اور اپنے کو امیروں اور بادشاہوں کا طرفدار اور مدّاح قرار دیا ہے مخالف بار بار درویشوں کی تعریف اور دولتمندوں کی مذمت کرتا ہے اور شیخ ہر دفعہ اُس کی تردید میں درویشوں کے عیب اور امیروں کی خُوبیاں بیان کرتا ہے مگر جیسی مضبوط دلیلیں اپنے دعوے پر قایم کرتا ہے ویسی ہی مضبوط دلیلیں خصم کی طرف سے لکھتا ہے - اور اِس سے صاف معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ ایک فرضی مناظرہ ہے جو محض درویشوں اور تونگروں کی تنبیہ اور اصلاح کے لئے لکھا گیا ہے*

بادشاہوں کے جور وظلم اور بیباکی وسفّاکی دیکھتے دیکھتے شیخ کے دل میں فی الواقع بنی نوع کی خیر خواہی کا سچّا جوش پیدا ہوگیا تھا جسکو کوئی خوف اور اندیشہ روک نہ سکتا تھا - ایکبار جبکہ وہ حج کرکے تبریز میں پہنچا اور وہاں کے عُلما اور صُلحا سے مُلاقات کی اُس نے یہ ارادہ کیا کہ خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اُس کا چھوٹا بھائی خواجہ علاءالدین جوینی جوکہ سلطان اباقاخان[۱] کے معتمد وزیر تھے اور شیخ کے ساتھ خاص ارادت رکھتے تھے اُن سے بھی ملاقات کرے - ایک روز اُن سے ملنے کا ارادہ کرکے چلا - راہ میں دیکھا کہ اباقاخان کی سواری آتی ہے اور اُس کے دونوں وزیر اُس کے ہمراہ سوار ہیں - شیخ نے چاہا کہ وہاں سے کترا کر نکل جائے - مگر دونوں بھائیوں نے اُس کو پہچان لیا اور

---

[۱] ہلاکو خان کا بیٹا جو اُسکے بعد بادشاہ ہوا*

فوراً گھوڑوں سے اُتر کر شیخ کی طرف آئے اور نہایت تعظیم اور ادب سے شیخ کو
سلام کیا اور اُس کے ہاتھ اور پاؤں پر بوسے دیئے بادشاہ نے جو یہ حال
دیکھا حاضرین سے کہنے لگا کہ شمس الدین نے کبھی ہماری تعظیم بھی اس راہرو
آدمی کے برابر نہیں کی یہ کون شخص ہے ؟ جب دونوں بھائی شیخ سے ملکر
واپس آئے تو اباقاخان نے خواجہ شمس الدین سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا
جسکی تمنے اسقدر تعظیم کی صاحب دیوان نے عرض کیا حضور یہ ہمارا شیخ
ہے حضور نے سنا ہوگا شیخ سعدی اسی کا نام ہے اور اس کا کلام ایک عالم
میں مشہور و معروف ہے - اباقاخان نے کہا اس سے ہمکو بھی ملواؤ - چنانچہ
دونوں بھائی ایک روز شیخ کی خدمت میں گئے اور اُس کو بادشاہ کے حضور
میں لائے - کسی قدر صحبت کے بعد جب شیخ چلنے لگا تو بادشاہ نے کہا کہ مجھکو
کچھ نصیحت کرو - شیخ نے کہا دنیا سے آخرت میں کوئی چیز ساتھ نہ جائیگی -
مگر نیکی یا بدی - اب تم کو اختیار ہے جو منظور ہو سو لیجاؤ - اباقاخان نے کہا
اس مضمون کو نظم کردو تو بہتر ہو - شیخ نے اُسی وقت یہ قطعہ نظم کرکے
پڑھا * قطعہ

شہے کہ پاس رعیت نگاہ میدارد حلال باد خراجش کہ مزد چوپانی ست
وگر نہ راعی خلق است - زہرمارش باد کہ ہرچہ میخورد از جزیہ مسلمانی ست

اباقاخان یہ قطعہ سنکر آبدیدہ ہوگیا اور کئی بار شیخ سے پوچھا کہ میں راعی ہوں
یا نہیں ؟ شیخ ہر بار یہی جواب دیتا تھا کہ اگر آپ راعی ہیں تو پہلی بیت
آپ کے مناسب حال ہے ورنہ دوسری بیت - اباقاخان شیخ کی

آزاد از پند و موعظت سے نہایت خوش ہوا اور شیخ کو بہت عزت سے رخصت کیا ۔

علی بن احمد جامع کلیاتِ شیخ اس مقام پر لکھتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے مشائخ و علما ایسی بیباکانہ نصیحت ایک بقّال یا قصّاب کو بھی نہیں کر سکتے اور اسی لئے زمانہ کا جو حال ہے وہ سب پر روشن ہے "

میں کہتا ہوں کہ شیخ کے یہ کلمات اُسوقت اور بھی زیادہ قدر کے لائق ہو جاتے ہیں جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اباقا خان ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے جانی دُشمن تھے ۔ اگرچہ اباقا خان کو مسلمانوں سے ویسی نفرت نہ تھی لیکن بہرحال وہ اسلام سے بیگانہ تھا اور ایک مُسلمان شیخ یا واعظ کو اُس کے سامنے ایسی جرأت کرنی نہایت دشوار تھی ایسا کام اُسی شخص سے ہو سکتا ہے جسکو نہ جان کا خوف ہو نہ فائدہ کی امید جیسا کہ شیخ نے گلستان میں خود لکھا ہے "نصیحتِ بادشاہاں گفتن کسے را مسلّم است کہ بیم سر ندارد و امید زر"۔

مردانہ انکیانو جو بعد زوال خاندان آتابکیہ کے ۶۶۳ھ ہجری میں سلطان اباقاخان کے حکم سے صوبۂ فارس کی امارت اور حکومت پر مقرر ہوا تھا ۔ ایک مغل صاحبِ ہیبت وشان ۔ نہایت رعب داب والا اور اپنے مذہب میں نہایت پختہ تھا ۔ اور ہمیشہ علمائے اسلام سے مذہبی بحثیں کیا کرتا تھا ۔ اور اُس کی ہیبت سے بڑے بڑے اہل منصب لرزتے تھے ۔ غالباً اُس نے شیخ سے درخواست کی تھی جسکے موافق شیخ نے نثر میں ایک پندنامہ جو اُس کے کلیات میں موجود ہے

سردار مذکور کے نام لکھکر بھیجا ہے۔ اس پندنامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے بادشاہ۔ حاکم اور عامل شیخ کے کلام کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور اُس کی تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے تھے۔ سردار انکیانو کے شان میں شیخ نے قصائد بھی لکھے ہیں جو سراسر نصیحت و پند سے بھرے ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض قصائد دو تین مدحیہ اشعار کے سوا سراسر پند و موعظت ہی میں ختم کر دئے ہیں۔

شیخ کی عقیدت و ارادت ممالک ایران کے سوا شام وغیرہ میں بھی ایسی ہی تھی جیسی فارس اور عراق عجم میں۔ چنانچہ ایک دفعہ شیخ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت یحییٰ کی تربت پر معتکف تھا۔ عرب کا ایک بادشاہ جو ظلم اور بے انصافی میں مشہور تھا مسجد میں آیا اور نماز و دُعا سے فارغ ہو کر شیخ کے پاس گیا اور کہا مجھکو ایک سخت دُشمن سے حملہ کا اندیشہ ہے آپ میرے لئے دُعا کریں۔ شیخ نے کہا کمزور رعیّت پر رحم کر تا کہ زبردست دُشمن سے محفوظ رہے۔ جسنے بدی کا بیج بویا اور نیکی کی امید رکھی اُسنے ایک لغو خیال پکایا اور بیہودہ امید باندھی ہے۔

اگرچہ سلطنت عہد کے اعیان و ارکان میں شیخ کے معتقد اور ارادتمند بیشمار تھے لیکن خواجہ شمس الدین صاحب دیوان جسکے نام پر شیخ نے اپنے ایک مجموعۂ نظم کا نام صاحبیہ رکھا ہے اور اُس کا بھائی علاء الدین جسنے سب سے اوّل مغول تاتار کی فتوحات کے بیان میں **تاریخ جہان کشا** لکھی ہے شیخ کے ساتھ ایک خاص قسم کا خلوص اور محبت یا عقیدت رکھتے تھے۔

اِس مقام پر کچھ مختصر حال اِن دونوں بھائیوں کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے *

جُوین جو کہ خُراسان میں ایک سرسبز اور معمور خطّہ تھا - یہ دونو بھائی وہاں کے سِندی ساوات میں سے ہیں - اِنھوں نے اپنے علم و فضل اور عقل و دانش کے ذریعہ سے خانانِ تاتار کے عہد حکومت میں اپنا مرتبہ وزارت تک پُہنچایا تھا - ہلاکو خان نے وزیر سیف الدین کی شہادت کے بعد اپنی وزارت بالاستقلال خواجہ شمس الدین جُوینی کو عطا کی تھی اور اُسکے چھوٹے بھائی علاءالدین کو مُلکِ بغداد اور اُس کے مضافات پر حاکم مُقرر کیا تھا - ہلاکو خان کے بعد اباقا خان باپ کا جانشین ہوا تو اُس نے پہلے سے بھی شمس الدین کا زیادہ مرتبہ بڑھا دیا - اور سلطنت کی باگ بالکل اُسکے قبضہ میں دیدی - اب اُسنے مُہماتِ سلطنت کے انصرام سپاہ و رعیت کی دلجوئی اور تمام مُلکی خرابیوں کی اصلاح میں حد سے زیادہ کوشش کی - عراق - خُراسان - بغداد - شام اور آرمینیہ کے بادشاہ اور حاکم سب اُسکے مطیع اور فرماں بردار تھے - اُسکی فیاضی اور سخاوت کی دُھوم دور ونزدیک پُہنچی تھی - باوجودیکہ اُسکا حکم کنارہ جیحون سے شام اور ایشیا - ئے کوچک تک نافذ اور جاری تھا - اسپر وہ عُلما و فضلا کے ساتھ کمال تواضع اور انکسار سے پیش آتا تھا اور اُن کے ساتھ حد سے زیادہ سلوک کرتا تھا - کبھی کسی پر اُسنے احسان نہیں جتایا - ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں کی تعظیم اور مدارات اُن کے مرتبہ کے موافق کرتا تھا اور علاوہ کمالات علمی کے علم

ادب اور شعر میں بھی اُسکو یدِ طولیٰ حاصل تھا - زیادہ تر اُسی کی بدولت تاتاریوں میں دینِ اسلام شائع ہوا اور اُسی کے فیضِ صُحبت سے اباقا خان کے بھائی سلطان احمد[1] نے اپنے گھرانے میں سب سے اوّل اسلام قبول کیا آخر ارغون خان برادر سلطان احمد کے ہاتھ سے ۶۸۳ھ ہجری میں شہید کیا گیا۔ شہادت سے چند ساعت پہلے اُس نے تھوڑی سی مُہلت چاہی تھی اُس نازک وقت میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے بیٹوں کے نام ایک وصیت نامہ تحریر کیا اور ایک خط فضلائے تبریز کو لکھا جو کہ تاریخ وصاف میں بجنسہٖ منقول ہے اور جس سے اُس کا کمال استقلال اور فراخ حوصلگی پائی جاتی ہے -

اُسکے چھوٹے بھائی علاء الدین جُوَینی نے بغداد کی حکومت کے زمانہ میں اُس اُجڑے اور ویران شہر کو جو کہ ہلاکو خان کے ظلم و بیداد سے بالکل پامال ہوگیا تھا چند روز میں اپنے عدل اور شفقت اور دلجوئی رعایا سے ازسرِنو معمور کر دیا۔ نجفِ اشرف میں نہر کُھدوائی جس میں ایک لاکھ دینار سے زیادہ صرف ہوا اور فرات کا پانی کوفہ کی مسجد میں لے گیا - تاریخ میں لکھا ہے کہ جو کام بڑے بڑے خلیفہ اور بادشاہوں سے نہو سکے تھے وہ اس فیاض اور دانشمند وزیر کی کوشش سے ظہور میں آئے تاریخ جہان کشا

[1] سلطان احمد کا نام اسلام سے پہلے نکودار تھا تاتاریوں میں اس سے پہلے صرف برکہ خان جوجی خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا مُسلمان ہوا تھا جسکے پاس خوارزم و دشتِ قپچاق اور روس وغیرہ کی حکومت تھی ۱۲

جو اُسنے تاتاریوں کی فتوحات کے بیان میں لکھی ہے وہ اُن تمام تاریخوں کا ماخذ ہے جو اس باب میں لکھی گئی ہیں ۔

الغرض یہ دونوں بھائی جو کہ دُنیوی جاہ و اقتدار کے علاوہ کمالاتِ علمی میں بھی امتیاز رکھتے تھے اور نیک سیرتی اور حُسنِ اخلاق کے لحاظ سے بےمثل تھے۔ شیخ سعدی کے ساتھ اِن کو حد سے زیادہ خلوص اور اعتقاد تھا اور شیخ کو بھی جیسا کہ اُسکے قصائد و قطعات اور دیگر تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے اِن دونوں سے انتہا کے درجہ کی محبّت اور اُلفت تھی۔ ظاہرا جب سے شیخ نے سفر ترک کرکے شیراز میں اقامت اختیار کی تھی اُس کے تمام اخراجات اور اُسکی خانقاہ کے مصارف کے مُتکفّل خواجہ شمس الدین اور خواجہ علاء الدین تھے۔

ایکبار خواجہ شمس الدین نے پانسو دینار بطور نذر کے اپنے غلام کے ہاتھ دار السلطنت تبریز سے شیخ کی خدمت میں بھیجے ۔ راہ میں غلام نے شیخ کے معمولی اغماض اور چشم پوشی کے بھروسے پر اُس میں سے ڈیڑھ سَو دینار نکال لئے اور ساڑھے تین سَو شیخ کے حوالے کئے ۔ شیخ نے دیکھا کہ صاحب دیوان کے خط میں پانسو لکھے ہیں اور غلام نے ساڑھے تین سَو دئے ہیں اُسکی رسید میں یہ قطعہ لکھ بھیجا ۔ **قطعہ**

خواجہ تشریفم فرستادی و مال ۔۔۔ مالت افزون باد و خصمت پایمال
ہر دینارت سالے عمر باد ۔۔۔ تا بمانی سہ صد و پنجاہ سال

ترجمہ ۔ تمنے مجھکو عزت دی اور نقدی بھیجی ۔ تمہاری دولت زیادہ اور تمہارے دُشمن پایمال ہوں ۔ تمہاری عمر فی دینار ایک برس کے حساب سے ہو جیو

تاکہ تم ساڑھے تین سَو برس دُنیا میں رہو۔

صاحب دیوان نے یہ مضمون دریافت کر کے غلام کو بہت زجر و توبیخ کی اور رقم کی بابت تدارک مافات کر کے شیخ سے معافی چاہی۔ اِس قسم کے مزاح آمیز اشعار اور بھی کئی موقعوں پر شیخ نے صاحب دیوان کو لکھے ہیں ایکبار اُسنے اپنی نظم و نثر کا مجموعہ خواجہ کو حسب الطلب بھیجا تھا۔ جب ایک مُدت تک وہاں سے رسید نہ آئی تو اُس کے تقاضے کے لئے یہ قطعہ لکھ بھیجا۔

قطعہ

سفینۂ حِکمیات و نظم و نثر لطیف — کہ بارگاہِ ملوک و صدور را شاید
بصدر صاحب صاحبقراں فرستادم — مگر بعین عنایت قبول فرماید
سفینہ رفت و ندانم رسید یانہ رسید — بداں دلیل کہ آئندہ دیر مے آید

لہ بدرِ بخارائی جو ایک زبردست شاعر ہے اُسکو بھی یہ اتفاق پیش آیا ہے۔ بادشاہ نے اُسکو پانسو تومان انعام میں بھیجے تھے مگر اسکو دوسو پہنچے اُسنے یہ قطعہ بادشاہ کو لکھ بھیجا

قطعہ

شاہ دشمن گداز دوست نواز — آں جہانگیر کو جہاں داراست
بش لوز آلتون کرم فرمود من — لطف سلطاں بجیدہ بسیاراست
سہ صد از جملہ غائب اَست وکنوں — در برِ اتم دو صد پدیدار است
یاکہ پروانہ چی طلبگار است — یا مگر من غلط شنود ستم
یا مگر در عبارتِ ترکی — بش لوز آلتون دو یوز شمار است

مگر اِس قطعہ میں جیسا کہ ظاہر ہے شیخ کے قطعہ کی سی شوخی اور لطافت نہیں ہے۔ بش لوز آلتون کو بش یوز آلتون پڑھنا چاہئے۔ یہ ترکی الفاظ ہیں جنکا ترجمہ پانسو تومان ہے۔

بسیار ساے ازین حال مشورت بُردم — مگر ز خاطر من بند بستہ بکشاید
چو گفت ۔ گفت ندانی کہ خواجہ دریاست — ز ہر سفینہ ز دریا درست باز آید

ایکبار خواجہ علاء الدین نے جلال الدین ختنی کو جو کہ شیراز میں کسی جلیل القدر منصب پر مامور تھا تبریز سے یہ حکم بھیجا کہ اسقدر دینار شیخ کیخدمت میں بھیجدو مگر اُسوقت جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا اِسلئے وہ رقم شیخ کے پاس نہ پہنچی۔ جب شیخ کو اِس حال کی اطلاع ہوئی تو اُسنے ہنسی سے خواجہ علاء الدین کو یہ قطعہ لکھ بھیجا ۔ **قطعہ**

پیام صاحب دیوان علاء دولت و دین — کہ دین بدولت ایام او ہمے نازد
رسید و پایۂ حرمت فزود سعدی را — بسے نماند کہ سر بر فلک برافرازد
مثال داد کہ صدر ختن جلال الدین — قبول حضرت او را تعہدے سازد
ولیک بر سر او خیل مرگ تاختہ بود — چنانکہ بر ہمہ ابنائے دہر مے تازد
جلال زندہ نخواہد شدن درین دُنیا — کہ بندگان خداوندگار بنوازد
طمع بُریدم از دو سرائے عقبے نیز — کہ از مظالم مردم بمن نپردازد

ترجمہ ۔ صاحب دیوان علاء الدین جسکے عہد دولت پر دین کو ناز ہے اُسکی تحریر پہنچی اور سعدی کو عزت بخشی ۔ قریب تھا کہ اس کا سر آسمان تک پہنچ جائے ۔ اُس میں حکم تھا کہ امیر جلال الدین اُسکی فرمان کی تعمیل کرے گر اُسپر لشکر اجل کی چڑھائی ہو چکی تھی جیسکہ سب پر ہوا کرتی ہے ۔ اب جلال الدین دُنیا میں تو آنیوالا ہی نہیں کہ خدا کے بندوں کی خبر لے ۔ مَیں نے آخرت میں بھی اُس سے امید قطع کی کیونکہ وہاں لوگوں کے استغاثے اُسکو میری طرف کاہیکو متوجہ ہونے دینگے ۔

خواجہ علاء الدین نے فوراً اسکی تلافی کی اور عذر چاہا ۔ شیخ کی خانقاہ جہاں اب اُس کی قبر ہے یہ بھی صاحب دیوان کے روپیہ سے بنی تھی ۔ اس کام کے لئے پچاس ہزار دینار اُسنے شیخ کو دیئے تھے ۔ شیخ نے ہرچند اُن کے لینے سے انکار کیا مگر صاحب دیوان نے ہزار منت وسماجت اُس کو راضی کیا اور شیخ کی زندگی ہی میں اُس رقم سے ایک عالیشان مدرسہ یا خانقاہ پہاڑ کے نیچے جو کہ گوشۂ شمال ومغرب میں شہر سے ملا ہوا ہے بنوائی گئی اور شیخ آخر عمر تک وہیں عزلت نشین رہا ✦

شیخ سے اکثر اہل علم حقائق ومعارف کے دقائق وغوامض پوچھتے تھے اور وہ ہر ایک کا جواب تحریر یا تقریر میں دیتا تھا ۔ ازانجملہ علی بن احمد نے ایک قطعہ مولانا سعد الدین کا جو کہ علم وفضل کے سوا شاعری میں بھی مشاق وماہر تھا نقل کیا ہے جس میں یہ استفسار کیا گیا ہے کہ سالک کی رہنما عقل ہے یا عشق ۔ چونکہ اس قطعہ سے اُس زمانہ کے علما کی رائے شیخ کی نسبت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے اسلئے وہ قطعہ یہاں نقل کیا جاتا ہے ✦

قطعہ

سالک راہ خدا یا دشت ملک سخن — اے ز الفاظ تو آفاق پر از دُرِ یتیم
اختر سعدی و عالم ز فروغ تو منیر — واضع عقلی و گیتی ز نظیر تو عقیم
پیش اشعار تو شعر دگراں را چہ محل — سحر بے وقع نماید بر اعجاز کلیم
بندہ را از تو سوالے است کہ توجیہ سوال — نکند مردم پاکیزہ سیر جز بہ کریم
مرد را راہ بحق عقل نماید یا عشق — ایں در بستہ تو بکشاے کہ بابیست عظیم

گرچہ ایں ہر دو بیک شخص نماید فرود — در دماغ و دل بیدار تو ہستند مقیم
پایۂ منصب ہر یک ز کرم باز نماے — تا ز الفاظ خوشت تازہ شود جان سقیم
باد آسودہ و فارغ ز بد و نیک جہاں — خاطر آئینہ کردار تو چون نفس حکیم

شیخ نے اُسکے جواب میں ایک طول طویل بحث نثر میں لکھی ہے جو اُس کے کلیات میں موجود ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیراز میں جو شخص حاکم ہوتا تھا وہ شیخ کا نہایت ادب اور تعظیم اور اطاعت کرتا تھا - سردار انکیانو کو وہ برابر قصائد اور پندنامہ وغیرہ میں اس طرح خطاب کرتا ہے جیسے بڑے اور بزرگ چھوٹوں کو کیا کرتے ہیں - اُس کے سوا ملک عادل شمس الدین جو کہ غالباً انکیانو کے بعد شیراز کا حاکم ہوا تھا وہ بھی حد سے زیادہ شیخ کی تعظیم اور عزت کرتا تھا - ایکبار ایسا ہوا کہ شیراز میں فوج کے سپاہیوں اور افسروں نے چوری سے سرکاری کھجوریں جو زمین کے محصول میں زمینداروں سے وصول کی تھیں سبزی فروشوں کے ہاتھ جبراً کسی زیادہ مہنگے نرخ سے بیچنی شروع کیں اور بہت سے بوجھ شیخ کے بھائی کی دوکان پر بھی جو کہ خاص بادشاہی ڈیوڑھی کے پاس بقالی کی دوکان کرتا تھا بھجوائے - شیخ اُس زمانہ میں حضرت ابو عبد اللہ ابن خفیف[1] کی خانقاہ میں مجاور تھا - اُسکو بھی اس واقعہ

---

[1] یہ بزرگوار چوتھی صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے ہیں جن کی نسبت خواجہ عبد اللہ انصاری نے لکھا ہے کہ حقائق و معارف میں کسی کی تصنیفات ابن خفیف کے برابر نہیں ہیں ۱۲

کی خبر پہنچی۔ اُسنے ملک شمس الدین کو جو کہ اس حال سے بیخبر تھا ایک خط لکھ
بھیجا جسمیں اہل فوج کی شکایت اور اپنے بھائی کی دوکانداری اور بنوائی کا
حال لکھا تھا۔ شمس الدین نے فوراً اِسکا تدارک کیا اور خود شیخ کے پاس
آیا اور معافی چاہی اور ہزار درم پیش کرکے کہا کہ یہ حقیر رقم آپ کے بھائی
کے خرچ کے لئے ہے۔ اس کو قبول کیجئے۔ شیخ نے لیکر بھائی کو بھیجدی۔
شیخ کی وفات[ا] شیراز میں جبکہ اتابکان فارس کے خاندان کا خاتمہ
ہوچکا تھا اور ولایت فارس خانان تاتار کی حکومت میں آگئی تھی ۶۹۱ھ
ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ کسی شاعر نے اُس کے مرنے کی تاریخ اس
طرح کہی ہے۔

[ا] سرگور اوسلی نے اُسکی وفات اتابک محمد شاہ ابن مظفر سلغر شاہ بن سعد زنگی کے
عہد میں لکھی ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ اتابک محمد شاہ ۶۶۱ھ میں تخت پر بیٹھا تھا
اور آٹھ مہینے سلطنت کرکے مرگیا۔ پھر اُسکا بھائی سلجوق شاہ تخت نشین ہوا اور
۶۶۲ھ میں قتل کیا گیا۔ پھر سعد زنگی کی بیٹی آبش خاتون کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری
ہوا اور ۶۶۳ھ میں اُسکو معزول کرکے سلطان اباقا خان نے سرداران کیا نو کو جو
کہ شیخ کا ممدوح ہے حاکم فارس مقرر کیا۔ اب آگے کوئی مستقل اتابکان فارس کے
خاندان کا حکمران نہیں ہوا۔ پس شیخ کی وفات جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا خاندان
اتابک کے زوال سے چوبیس برس بعد اور اتابک محمد شاہ کے عہد سے تیس برس
بعد واقع ہوئی ہے ۱۲

در عجب معارف شیخ سعدی ۔۔۔ کہ در دریائے معنی بود غواص
مہ شوال روز جمعہ روحش ۔۔۔ بدان درگاہ رفت از روئے اخلاص
یکے پرسید سال فوت گفتم ۔۔۔ ز خاصاں بود ازاں تاریخ شد خاص

شیخ کی عمر کسی نے ایک سو دو برس کی اور کسی نے ایک سو دس برس اور کسی نے ایک سو بیس برس کی لکھی ہے۔ ہمارے نزدیک یہی پچھلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شیخ جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے جوانی کے زمانہ میں شیراز سے باہر گیا اور بغداد میں اُس نے مدتوں امام ابن جوزی سے علم تحصیل کیا ہے۔ امام ابن جوزی کی وفات ۵۹۷ ہجری میں ہو چکی تھی۔ اور شیخ کی وفات اُس سے ۹۴ برس بعد واقع ہوئی پس اگر شیخ کی تمام عمر ایک سو دو برس کی سمجھی جائے تو لازم آتا ہے کہ شیخ زیادہ سے زیادہ نو برس کی عمر تک امام ابن جوزی سے تحصیل علم کر چکا تھا اور اگر ایک سو دس برس کی عمر قرار دی جائے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ سترہ برس کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو چکا تھا اور شیراز سے بچپن ہی کے زمانہ میں نکل گیا تھا۔ پس پہلی بات خلاف قیاس ہے اسی طرح دوسری بات خلاف واقع ہے۔

سر گور اوسلی نے انگلستان کے ایک سیاح ولیم فرینکلن کے سفرنامہ سے جو کہ سنہ ۱۷۸٦ء میں فارس گیا تھا شیخ کے مدفن کا حال اس طرح لکھا ہے کہ "شیخ کا مزار مقام دلکشا سے ایک میل جانب مشرق پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ عمارت اُس کی بہت بڑی اور مربع ہے اور قبر سنگین بنی ہوئی ہے

جسکا طول چھ فٹ اور عرض ڈھائی فٹ ہے۔ قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ
عبارت قدیم نسخ خط میں کندہ ہے جسمیں شیخ کا اور اُس کی تصنیفات کا
حال درج ہے۔ قبر ایک سیاہ رنگ کے چوبی قبر پوش سے جسپر سنہری کام
ہو رہا ہے ڈھکی رہتی ہے اور اُسپر شیخ ہی کا ایک شعر خط نستعلیق میں
لکھا ہوا ہے۔ جب اس قبر پوش کو ہٹاتے ہیں تو قبر کا تعویذ دکھائی دیتا
ہے۔ اکثر اہل اسلام جو اطراف و جوانب سے شیخ کے مزار پر آتے ہیں
وہ پھول اور دیگر اقسام کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور زائرین کے
مطالعہ کے لئے ایک نسخہ شیخ کے کلیات کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مزار پر
رکھا رہتا ہے۔ مقبرہ کی دیواروں پر بہت سے فارسی اشعار لکھے ہوے ہیں
جو لوگ دور دست مقامات سے وہاں زیارت کو آئے ہیں یہ اشعار
انھوں نے لکھے ہیں شیخ کے مقبرہ کی عمارت اب روز بروز گرتی جاتی ہے
اور اگر اب اسکی خبر جلد نہ لی گئی تو بالکل کھنڈر ہو جائیگی۔ نہایت افسوس
کی بات ہے اور زمانہ کا عجیب انقلاب ہے کہ کسی شخص کو اُس کی مرمت
کرنے کا خیال نہیں۔ اس مقبرہ کے متصل اکثر دیندار اور اور بزرگوں
کے مزار ہیں جنھوں نے اپنی خواہش سے یہاں دفن ہونا چاہا ہے۔"
اس کے بعد سر گور اوسلی صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۸۱۱ء کے شروع
میں جبکہ میں جارج سوم بادشاہ انگلستان کی طرف سے بعنوان سفارت
فتح علی شاہ قاجار کے پاس پیغام لیکر طہران کو جاتا تھا اُس وقت کئی مہینے
شیراز میں میرا مقام رہا۔ جب تک میں وہاں رہا اکثر شیخ کے مزار پر

جاتا تھا۔ مسٹر فرنیکلن کے لکھنے کی تصدیق شیخ کے مزار پر جاکر ہوتی ہے۔
اُسکی قبر حقیقت میں بالکل بوسیدہ ہوگئی ہے اور تمام عمارت عنقریب منہدم
ہوا چاہتی ہے۔ باغ اور درخت جو زمانۂ سابق میں وہاں تھے اُن کا اُب
نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر
تھوڑا سا روپیہ خرچ کیا جائے تو اس مقبرہ کی مرمت بخوبی ہوسکتی ہے
اور میرے حسنِ عقیدت نے جو کہ میں شیخ اور اُس کے کلام کے ساتھ
رکھتا تھا مجھکو آمادہ کیا کہ اپنے پاس سے روپیہ صرف کرکے شیخ کے
مقبرہ کی مرمت کرادوں۔ مگر شاہ ایران کا پانچواں بیٹا حسین علی مرزا
جو اُس وقت فارس کا گورنر تھا اُس نے مجھ کو اس ارادہ سے باز رکھا
اور نہایت سرگرمی سے کہا کہ میں اپنے روپیہ سے مزار کی مرمت کرادوں گا
آپ کیوں اِسقدر تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ میں شیخ کے مزار
کی مرمت اُسی اسلوب اور عمدگی سے کراؤں گا جیسے کریم خان زند
نے خواجہ حافظ کے مزار کی کرائی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اُس نے
اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔

نہایت تاسف کا مقام ہے کہ عنقریب وہاں کوئی نشان ایسا
باقی نہ رہے گا جس سے معلوم ہو کہ وہ خطۂ ایران کا فخر جو زہد وتقویٰ
اور ذہن وجَودت اور علم وفضل میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا کہاں اور
کس جگہ دفن ہوا ہے"۔

سبحان اللہ کیا عبرت کا مقام ہے کہ ایک عیسائی مذہب مین کے

اُس کنارہ کا رہنے والا جہاں دنیا کی آبادی ختم ہوتی ہے باوجود اختلافِ مذہب۔ اختلافِ قوم اور اختلافِ مُلک کے ایک مسلمان مصنّف کی ایسی قدر کرے کہ عالمِ سفر میں اُس کے مقبرہ کی مرمّت کرانے پر آمادہ ہو اور اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرنے کو موجود ہو۔ اور ایک مسلمان شاہزادہ سے باوجود اتحادِ زبان۔ اتحادِ مذہب۔ اتحادِ قوم و مُلک کے ایسی بیقدری اور بے اعتنائی ظہور میں آئے ۔

فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ ؕ

الفاظ اور صنائع لفظی پر مقصور رہی*

ایران میں سب سے بڑا نثار فضل اللہ بن عبداللہ شیرازی سمجھا جاتا ہے جو شیخ کے اخیر زمانہ میں ہوا ہے اسکی مشہور کتاب تاریخ وصاف ہے بیشک اُس کا کمال علمی اور عربی و فارسی دونوں زبانوں کی نظم و نثر پر بڑی قدرت معلوم ہوتی ہے لیکن ساری کتاب میں شاید ہی کوئی فقرہ ایسا نکلے جو متوسط درجہ کی استعداد کا آدمی ڈکشنری کھولے بغیر سمجھ سکے یا جسکا انداز بیان دل میں جا کر چبھے ۷۱۲ھ ہجری میں جبکہ سلطان محمد اولجائتو خان خدابندہ کے حکم سے آذربیجان میں شہر سلطانیہ بنکر تیار ہو چکا اور اس خوشی میں سلطان کی طرف سے تمام شہر کی دعوت کی گئی - اُس تقریب میں فضل اللہ بھی موجود تھا اور اُسی زمانہ میں اُسنے تاریخ وصاف ختم کی تھی - اس کتاب کی تقریب اور تعریف سلطان کے حضور میں کی گئی - سلطان نے اُس میں سے کچھ متفرق فقرے پڑھنے کا حکم دیا - اُسوقت دربار میں وزیر رشید الدین اور قاضی القضاۃ نظام الدین عبدالملک اور خواجہ اصیل الدین طوسی اور بڑے بڑے عالم اور فاضل موجود تھے فضل اللہ نے چند دعائیہ فقرے کہ اُن سے زیادہ سلیس اور آسان عبارت شاید تمام کتاب میں نہو گی خاص سلطان کے سنانے کو لکھے تھے وُہ پڑھنے شروع کئے سلطان ہر فقرہ کے معنی رشید الدین وغیرہم سے پوچھتا تھا - یہہ لوگ اُسکی شرح بہت بسط کے ساتھ کرتے تھے تب سلطان کی سمجھ میں کچھ آتا تھا یا شہرے شرمائے کچھ ہاں ہوں کر دیتا تھا - یہ حال تاریخ وصاف کی عبارت کا ہے اُس کے بعد بھی زیادہ تر نثر لکھنے والوں نے اسی بات میں کوشش کی ہے کہ انکی

نثر کے سمجھنے میں ناظرین کو طرح طرح کی دقتیں پیش آئیں اور اُن کے علم و فضل اور ہمہ دانی کا اعتقاد دلوں میں پیدا ہو مگر یہ ارادہ بہت کم کیا گیا ہے کہ مفید خیالات زُود فہم الفاظ اور دلاویز عبارت میں ادا کئے جائیں۔

تین کتابیں میری نظر سے گزری ہیں جو شیخ کے بعد گلستان کی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ ایک مولانا عبدالرحمٰن جامی کی بہارستان۔ دوسری مجدالدین[1] خوافی کی خارستان۔ تیسری حبیب[2] قاآنی شیرازی کی پریشان سو اوّل ہم بہارستان کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ خارستان کو عبارت کی خوبی اور جزالت کے لحاظ سے بہارستان کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔ بلکہ اگر میری رائے غلط نہو تو خارستان کا طریقۂ تحریر اکثر جگہ اہل زبان کی روش سے بیگانہ معلوم ہوتا ہے لیکن جب دونوں کو گلستان کے مقابلہ میں لایا جاتا ہے تو جسطرح آفتاب کے سامنے چاند اور شمع دونو کی روشنی کافور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بہارستان اور خارستان دونوں کا رنگ پھیکا پڑجاتا ہے اور ایک کو دوسرے سے بہتر کہنے کی کوی وجہ نہیں رہتی۔ حکایتیں اور روایتیں جو ان دونو کتابوں میں درج کی گئی ہیں وہ فی الحقیقت گلستاں کی حکایتوں سے بہت ملتی جلتی ہیں اور زیادہ تر مجدالدین خوافی نے اپنی کتاب کے

[1] یہ شخص اکبر کے عہد میں خراسان سے آیا تھا۔ خواف خراسان میں ایک مشہور بستی ہی کہتے ہیں کہ خارستان اُسنے اکبر کے حکم سے لکھی تھی۔

[2] یہ شخص زمانہ حال کا ایک نہایت مسلّم اور مقبول شاعر ہے جسکو اہل ایران خاتم الشعرا سمجھتے ہیں۔ اُسکی وفات کو چالیس برس سے زیادہ نہیں گذرے۔

ابواب بھی اُسی طریقہ پر مرتب کیے ہیں۔ مگر شیخ کے حسنِ بیان اور لطفِ ادا سے گلستان نے ایک خاص صورت پیدا کی ہے جسکے سبب سے وہ بالکل انوکھی اور نرالی چیز معلوم ہوتی ہے۔ ہرچند اس قسم کی ہمشکل اور ہمجنس کتابوں میں پورا پورا فرق اور امتیاز کرنا بغیر وجدان صحیح اور ذوق سلیم کے ممکن نہیں ہے۔ لیکن چند متحدُ المضمون فقروں کے مقابلہ کرنے سے کسی نہ کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے کہ کونسا اسلوبِ بیان زیادہ صاف اور پاکیزہ و دلاویز ہے اور کونسا کم۔ اس لئے چند ایسی مثالیں جو نہایت دقت اور جستجو سے بہم پہنچی ہیں۔ اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں *

گلستان اور بہارستان کا مقابلہ

گلستان۔ اسکندر را پرسیدند کہ دیارِ مشرق و مغرب را بچہ گرفتی کہ ملوک پیشیں را خزائن و عمر و ملک و لشکر بیش از تو بود و چنیں فتحے میسر نشد گفت بعون خدای عزّ وجل ہر مملکتے را کہ گرفتم رعیتش را نیازردم و رسوم خیراتِ گذشتگاں باطل نہ کردم و نامِ پادشاہاں جُز بہ نکوئی نہ بُردم۔

بیت بزرگش نخوانند اہلِ خرد۔ کہ نامِ

بہارستان۔ اسکندر را گفتند بچہ سبب یافتی آنچہ یافتی از دولت و سلطنت و مملکت باصغرِ سن و حداثتِ عہد۔ گفت باستمالتِ دشمناں تا از غائلۂ دشمنی زمام تافتند و از تعاہدِ دوستاں تا در قاعدۂ دوستی استحکام یافتند **بیت**

بایدت مُلکِ سکندر چون وے از حسن سیر۔
دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر۔

بزرگاں بزرشتی برد **قطعہ**

ایں ہمہ ہیچ ست چوں مے بگذرد
بخت وتخت و امر ونہی وگیرودار
نام نیک رفتگاں ضائع مکن۔
تا بماند نام نیکت یاد گار *

ان دونوں عبارتوں میں باعتبار فصاحت وبلاغت کے جو فرق ہے اسکا فیصلہ زیادہ تر ذوق صحیح پر منحصر ہے مگر جسقدر قید بیان میں اسکتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔ لیکن اس سے محض گلستان کی فوقیت جتانی مقصود ہے نہ کہ بہارستان کی تنقیص کرنی۔ **اوّل** "اسکندر را پرسیدند" اور "اسکندر را گفتند" میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ سوال کے موقعہ پر پرسیدن بہ نسبت گفتن کے زیادہ مناسب ہے **دوسرے** شیخ کے ہاں خزائن وعمر وملک وشکر چار لفظ ایک دوسرے پر معطوف ہیں اور کوئی لفظ حشو وبیکار نہیں ہے اور مولانا کے ہاں دولت ہے اگر سلطنت مراد ہے تو سلطنت ومملکت دونو ورنہ صرف لفظ مملکت حشو ہے اور صغر سن کے بعد حداثت عہد بھی حشو ہے **تیسرے** شیخ کے ہاں بیان میں سوال کرنیکی وجہ ظاہر ہے کیونکہ باوجود کمی لشکر وملک وعمر وماں کے مشرق ومغرب کو فتح کرنا تعجب سے خالی نہ تھا۔ اور مولانا کے ہاں سوال کی وجہ ایسی ظاہر نہیں ہے کیونکہ تھوڑی سی عمر میں بہتیرے لوگوں نے دولت اور سلطنت حاصل کی ہے **چوتھے** سکندر کا جواب جو شیخ نے نقل کیا ہے اُسمیں ہرگز اس سے زیادہ اختصار کی گنجایش نہ تھی ورنہ سکندر کا جواب ناتمام رہتا۔ اور جو جواب مولانا نے

نقل کیا ہے وہ ان لفظوں میں ادا ہو سکتا تھا" باستمالت دشمناں و تعاہد دوستاں"
اس سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ **پانچویں** شیخ نے جو
نتیجہ حکایت کے مضمون سے نکالکر اشعار میں بیان کیا ہے وہ کئی وجہ سے مولانا
کے نتیجہ کی نسبت [illegible] بارونق ہے۔ شیخ کا نتیجہ لازمی ہے۔ اور مولانا کا نتیجہ غیر لازمی
کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو زیادہ دوست
بنائے تو اسکو ضرور سکندر کی سی سلطنت حاصل ہو جائیگی۔ اس کے سوا
مولانا نے حقیقت میں کوئی نتیجہ نہیں نکالا بلکہ حکایت کا خلاصہ ایک بیت میں
دوبارہ بیان کر دیا ہے۔ اور شیخ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ایک اچھوتا مضمون
ہے جب تک بیان نہ کیا جائے ہر شخص کا ذہن وہاں تک انتقال نہیں
کر سکتا۔ نیز شیخ نے ایسا حاوی نتیجہ نکالا ہے جو تمام مخلوق کو شامل ہے کیونکہ
سلطنت کی تعظیم اور ادب اور اُن کے محاسن و کمالات کی قدر کرنی ہر شخص کے
حق میں مفید ہے اور مولانا کا نتیجہ صرف سلاطین اولوالعزم کے ساتھ مخصوص ہے
کیونکہ ملک سکندر کی خواہش اُن کے سوا اور کسیکو نہیں ہوتی۔

گلستان۔ رازیکہ نہاں خواہی
بکس در میان منہ اگرچہ دوست باشد
[illegible]

بہارستان۔ اسرار نہاں خود را
با ہیچ دوستے درمیان منہ زیرا کہ
بسیار [illegible] دوستی خلل افتد
[illegible]

ببند - کہ چو پر شد نتواں بستن جوے

بیت سخنے در خفا نباید گفت - کاں

سخن بر ملا نشاید گفت -

دیدہ ام بسیار کز سیر سپہر کج نہاد

دوستاں دشمن شوند و دوستیہا دشمنی -

قطعہ ہر سترے سر بمہر کہ افتد

بخاطرت - سرعت مکن بموج بیانش

نگاشتن - ترسم شود غرامت

اظہار آں ترا - مشکل تر از ندامت

پوشیدہ داشتن -

اس مثال میں بھی گلستاں کا بیان بہارستان کی نسبت چند وجوہ سے زیادہ بلیغ ہے - ۱ - شیخ کہتا ہے " رازیکہ نہاں خواہی " یعنی جس بھید کو چھپانا منظور ہو اُسے کسی سے نہ کہو - اور مولانا کہتے ہیں " اسرار نہاں خود را " یعنی اپنے پوشیدہ بھیدوں کو ظاہر نہ کرو - حالانکہ بعضے بھید کیسے ہی پوشیدہ ہوں ایک مدت کے بعد کہنے کے لایق ہو جاتے ہیں مگر جن کا چھپانا منظور ہوتا ہے وہ کبھی کہنے کے لایق نہیں ہوتے - ۲ - شیخ کہتا ہے " باکس در میان منہ اگرچہ دوست باشد " اور مولانا کہتے ہیں " با ہیچ دوستے درمیان منہ " پہلے بیان میں دوست اور غیر دوست سب سے راز کہنے کی ممانعت ہے مگر دوسرا بیان جبتک اس طرح نہو " با دوست ہم درمیان منہ " تب تک اُس میں تعمیم پیدا نہیں ہوتی - ۳ - شیخ نے راز نہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اُس کے بھی دوست ہوں گے اور اُن دوستوں کے بھی دوست ہوں گے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلا جائے گا - پس چپکے ہی چپکے راز جمہور میں پھیل جائیگا - مولانا نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ شاید دوستی

میں خلل آجائے اور دوست دشمن ہوجائے ۔ اگرچہ مطلب دونوں صحیح ہیں لیکن پہلی وجہ زیادہ موجہ ہے کیونکہ یقیناً کوئی شخص دوستوں سے خالی نہیں ہوتا اور دوستی میں فرق آجانا کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ۔ ۴ ۔ شیخ کا قطعہ بلاغت میں مولانا کے قطعہ سے بمراتب افضل اور فایق تر ہے ۔ پہلی بیت میں اُسنے انسان کی ایک ایسی غامض اور دقیق خصلت کی طرف اشارہ کیا ہے جو عام نظروں سے مخفی ہے وہ کہتا ہے ۔

خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش با کسے گفتن و گفتن کہ مگوے

یعنے کسی سے اپنا بھید کہکر اُسکو افشاے راز سے منع کرنا کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ انسان ممنوعات پر زیادہ حریص ہوتا ہے اسلئے اب اُسکو ضبط راز کرنا اور بھی مشکل ہوگا ۔ پس اس سے خاموشی ہی بہتر ہے ۔ دوسری بیت میں ایک نہایت لطیف اور واضح مثال سے مطلب کو خاطر خواہ دلنشین کیا ہے ۔ مولانا کے قطعہ میں کوئی خوبی اس مضمون کے سوا نہیں ہے کہ جو راز دشمن سے چھپانا چاہئے اُسے دوست سے بھی چھپانا چاہئے ۔ مگر آن کے ساتھ لفظ افشا زاید معلوم ہوتا ہے کیونکہ "از آں دم نزنی" کی جگہ "از افشاے آں دم نزنی" کہا گیا ہے ۔ اور قطعہ کا اخیر مصرع بھی حشو یا تکرار سے خالی نہیں ہے ۔ دوستوں کا دشمن ہوجانا اور دوستی کا دشمنی ہوجانا فی الحقیقت ایک ہی بات ہے ۔ ۵ ۔ قطعہ کے بعد شیخ نے ایک فرد لکھی ہے جو فی الواقعہ سہل و ممتنع ہے یعنی ۔

سخنے در خلا نباید گفت کاں سخن بر ملا نشاید گفت

یہ دعوی اکثر اشخاص کو ہوجاتا ہے کہ جب صحبت میں کوئی غیر جنس نہیں ہوتا ۔

تو ناگفتنی باتیں کہنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تخلیہ میں گفتگو کر رہے ہیں اس سے
اغیار مطلع نہیں ہو سکتے حالانکہ وہ باتیں ضرور رفتہ رفتہ منتشر ہو جاتی ہیں۔ اس
مجرّب اور سچے مضمون کو جو کسی قدر دقیق بھی تھا ایسے صاف طور سے بیان کیا ہے
کہ اُس سے زیادہ بیان کی صفائی ممکن نہیں۔ پھر قلا اور ملا اور دیا اور [illegible]
کا مقابلہ اور صنعت ذو قافیتین اُسکے علاوہ ہے۔ [illegible]
نکھی مگر ایک دوسرا قطعہ لکھا ہے یعنی "ہر سر [illegible]"
پہلے مصرعہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو راز سربستہ [illegible] خیال اول ہی گذشتہ [illegible]
مطلب یہ ہے کہ جو بھید تیرے دل میں موجود و مستور ہو [illegible]
کا لفظ "در اظہار آں" کی جگہ لایا گیا ہے جسمیں نہایت تکلف ہے۔ پھر [illegible]
ندامت کا لفظ شاید بے محل ہے کیونکہ اخفائے راز سے کبھی ندامت نہیں ہوتی
باوجود ان تمام باتوں کے دونوں مثالوں میں شیخ کی بھی کوئی لفظ غریب یا غیر
مانوس نہیں معلوم ہوتا اور مولانا کے ہاں اکثر الفاظ بمقابلہ گلستان کے
الفاظ کے غریب معلوم ہوتے ہیں جیسے صداشت عہد۔ مماطلہ۔ تعاہد۔
بعج بیانش نگاشتن۔ غرامت۔

گلستان اور نگارستان کا مقابلہ

گلستان۔ حکایت [illegible]

[illegible]

تا ستد رمق در جوانی ناطق برگیرند [illegible] دست یک دیگر از [illegible]

دپیراں تا حرق کنند۔ امّا قلندراں
چنداں خورند کہ درمعدہ جائے نفس
نماند و برسفرہ روزی کس بیت
اسیر بند شکم را دو شب نگیرد خواب
شبے ز معدہ سنگی شبے ز دلتنگی۔

از براے نفس زون رہا کند۔ امّا
صوفیان وقت ما مے گویند کہ تو ہمہ
شکم را از طعام پُر کن۔ آب خود چیز
لطیف است خود را جاے میکند کہ
لطیفاں را جاے کم نباشد و نفس را
جاے گو مباش بیت بشنو کہ چہ
گفت صوفی پرواری۔ چوں سیر شدی
چراغم جاں داری۔

گلستان۔ عالم ناپرہیزگار کور
مشعلہ دار است یھدی بہ و
ھو لا یھتدی بیت بے فایدہ
ہر کہ عمر در باخت۔ چیزے نخرید و
زر بینداخت +

خارستان۔ علم با عمل ہمچو طعام
با نمک است ہر کہ ابرو ہست حکمتے
تمام دارد۔ و طعام بے نمک را چہ
تواں کرد بیت عمل بے علم
نامضبوط باشد۔ ہمیشہ شرط با
مشروط باشد +

مذکورہ بالا مثالوں کو دیکھکر غالباً ہر شخص جو فارسی زبان سے فی الجملہ آشنا ہے بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ خارستان کی عبارت گلستان کے مقابلہ میں کسقدر کم وزن اور بے وقعت ہے اِسی لئے ہم اِس مقام کو ناظرین کے مذاق اور تمیز پر چھوڑ دیتے ہیں اور زیادہ نکتہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں دیکھتے۔

پریشان کا مصنف مرزا حبیب قاآنی کتاب مذکور کے خاتمہ کے اشعار میں تصریح کرتا ہے کہ اُسکی عمر تیس برس سے بھی دو تین برس کم تھی جب یہ کتاب اُسنے لکھی ہے۔ اور شیخ نے گلستان کو سنِ کہولت اور اوائل سنِ شیخوخت میں مرتب کیا ہے۔ پس اگر قاآنی سے گلستان کا پورا پورا انتبع نہ ہوسکا تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ ایک ایسی کتاب کا سرانجام کرنا جس کی بنا محض حکمت اور تجربت پر ہونی چاہیے شیخ کے مقابلہ میں ایک نوجوان ناتجربہ کار کی طاقت سے باہر تھا۔ بلکہ اگر میری رائے غلط نہ ہو تو بڑی عمر میں قاآنی سے گلستاں کا جواب اتنا بھی لکھا جانا مشکل تھا کیونکہ اُس کی تمام عمر قصیدہ گوئی میں صرف ہوئی ہے جسمیں محض خیالی ڈھکوسلے باندھنے اور الفاظ تراشی کے سوا حقیقت اور واقعیت سے کچھ غرض نہیں ہوتی پس جسقدر قصیدہ گوئی میں اُسکو مشق و مہارت زیادہ بڑھتی جاتی تھی اُسی قدر بیان حقایق اور واقعہ نگاری کا ملکہ اُس سے سلب ہوتا جاتا تھا۔

قاآنی نے بھی گلستان کی طرح پریشان کی عبارت دلچسپ اور دلاویز کرنے میں بہت کوشش کی ہے مگر سوا اس کے کہ تمام کتاب کو ہزل اور فحش سے بھر دیا اور چند آزاد اور بیباک نوجوانوں کی ضیافتِ طبع کا سامان مہیا کر دیا اور کچھ اُس سے نہیں ہوسکا۔ خاتمہ کتاب کے سوا جس میں اُسنے ابناے ملوک کے لئے پند بند کرکے کچھ نصیحتیں لکھی ہیں تمام کتاب میں وہ حکایتوں کی بنا واکثر نہایت غلیظ فحش یا سخیف ہزل پر رکھتا ہے جس کے پڑھنے سے شرم آتی ہے اور طرہ یہ کہ پھر اُس سے نتایج عارفانہ اور متصوفانہ استخراج

کرتا ہے یہی سبب ہے کہ پریشان کا خاتمہ جس میں شوخی و ظرافت کا کچھ سامان نہیں ہے باب ہشتم گلستان کے مقابلہ میں نہایت پھیکا اور بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ تمام خاتمہ میں شاذ و نادر ہی کوئی مضمون ایسا ہوگا جس میں کوئی ندرت پائی جائے۔ عبارت بے شک عمدہ ہے مگر شیخ کی جادو بیانی کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا۔ عام نصائح جو خاتمہ میں درج ہیں وہ اس قبیل کی ہیں "**پند** پادشاہ باید بہ سخن سخن چیناں اعتماد نکند **پند** پادشاہ باید دین را توقیر کند و دشمنان دین را تحقیر فرماید **پند** پادشاہ باید از خدا غافل نماند تا خدائے ازو غافل نباشد **پند** پادشاہاں را در نظام ممالک دست دُر افشاں بکار و تیغ سر افشاں **بیت** تاکہ بداں دوستاں شوند فراہم تاکہ بدیں دشمناں شوند پریشاں" اور اگر کہیں عبارت میں اس سے زیادہ حسن پیدا کرنا چاہتا ہے وہاں حقیقت سے دور جا پڑتا ہے۔ مثلاً **پند** پادشاہ باید تواضع کند و تکبر نفرماید کہ تواضع صفت اتقیاست و تکبر صفت اشقیا۔ ومن گفتہ ام اہل تکبر را در نطفہ غش است چہ سرکشی صفت آتش است و شیطان از آتش است۔ واہل تواضع را نطفہ پاک ست چہ افتادگی صفت خاک ست و آدم از خاک بود۔ اس پند کے پہلے حصہ میں ظاہر ہے کہ کوئی اچھوتا مضمون نہیں ہے اور دوسرے حصہ میں جو اُسنے کچھ ندرت پیدا کرنی چاہی ہے وہ محض ایک شاعرانہ خیال ہے اور وہ بھی اچھی طرح بیان نہیں ہوسکا۔ اسی مضمون کو شیخ علیہ الرحمۃ نے بوستان میں اسطرح بیان کیا ہے۔

ز خاک آفریدت خداوند پاک | پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
حریص و جہانسوز و سرکش مباش | ز خاک آفریدندت آتش مباش
چو گردن کشید آتش ہولناک | بہ بیچارگی تن بنیداخت خاک
چو آں سرفرازی نمود ایں کمی | ازاں دیو کردند ازیں آدمی

البتہ جو عذر کہ قاآنی نے پریشان کے دیباچہ میں کیا ہے اور گلستاں کے مقابلہ میں کتاب لکھنے سے اپنا عذر ظاہر کیا ہے اُس سے اُس کا نہایت انصاف اور گلستان کی قدر شناسی ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے احباب کے نہایت سخت جبر سے پریشان کے لکھنے پر قلم اُٹھایا تھا۔ وہ لکھتا ہے "کہ ایک نہایت عزیز دوست نے اصرار کیا کہ گلستاں کی طرز پر نظم و نثر میں ایک کتاب لکھنی چاہیئے۔ میں نے کہا۔ بھائی توبہ کر! میں! اور شیخ کی طرز پر کتاب لکھنے کا ارادہ کروں؟ مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کرکے کذّاب کے سوا اور کچھ خطاب نہیں پایا میں نے مانا کہ جگنو رات کو چمکتا ہے لیکن کیا وہ چاند کی برابری کر سکتا ہے؟ شیخ کی گلستاں ایک باغ ہے جسکے ہر پھول کی پتی کے ہزاروں بہشت غلام ہیں اور اہل معنی کی جان قیامت تک اُس کی حیات بخش خوشبو سے زندہ ہے۔ آخر جب اُسنے نہ مانا اور میرے انکار سے اُس کا اصرار بڑھتا گیا تو مجبور مجھے نظم و نثر او رجد و ہزل ترتیب دی گئی اور یہ سمجھا گیا کہ اگرچہ چڑیا پرواز میں شہباز کی برابری نہیں کر سکتی لیکن اُس کو بھی چار و ناچار اڑنا ہی پڑتا ہے"

اَب ہم چند ایسے فقرے گلستان اور پریشان سے انتخاب کرکے لکھتے ہیں جو مُتّحِد المضمون ہیں۔

گلستان اور پریشان کا مقابلہ

مثال

گلستان اے فرزند دخلِ آب رواں ست وخرج آسیابے گرداں۔ یعنی خرج فراواں کردن مُسلّم کسے را ست کہ دخلے معیّن دارد **قطعہ** چو دخلت نیست خرج آہستہ تر کن۔ کہ میگویند ملّاحاں سرودے۔ اگر باراں بکوہستاں نبارد۔ بسالے دجلہ گردد خشک رودے۔

پریشان۔ دخل سرچشمہ است و مخارج جوئے چند کہ آب سرچشمہ در آنہا جاری ست۔ ولاشک چوں سرچشمہ بند شود جوہا خشک شود پس ہر کس آب در جو جاری خواہد سرچشمہ را رعایت کند۔

ایضاً۔ خرج باندازۂ دخل باید کرد نہ آنکہ خرج معلوم باشد و دخلِ موہوم چہ ایں معنی بغایت نامعقول ست کہ بلد در پیش قدم و بار گیر در حیز عدم باشد **قطعہ** الا اے آنکہ خرجت ہست موجود۔ بکارت مے نیاید دخلِ معدوم۔ نشیند ستے کسے از بہر جولاں۔ نشیند بر فرازِ اسپِ موہوم۔

اِس مثال میں گلستان سے صرف ایک عبارت اور پریشان کے دو مختلف مقامات سے دو عبارتیں ایک ہی مضمون کی نقل کی گئی ہیں مگر شیخ کا بیان قاآنی کی دونوں عبارتوں سے زیادہ بلیغ ہے لیکن جو فرق بہت باریک اور نازک ہیں اُن کا بیان کرنا اوّل تو مشکل ہے دوسرے یہ امید نہیں کہ ناظرین اُسکو غور سے دیکھیں گے۔ اسی لئے صرف ایسے فرق بتائے جاتے ہیں جو زیادہ روشن اور صاف ہیں۔ شیخ کے بیان میں مخاطب کو فرزند کے ساتھ تعبیر کرنا عین مقتضائے مقام ہے۔ ایک تو اظہار شفقت جو ناصح کے لئے ضرور ہے۔ دوسرے یہ جتانا کہ نوجوان ہی اکثر اس نصیحت کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر دخل و خرچ کی تشبیہ آب رواں اور پنچکی کے ساتھ کیسی عمدہ تشبیہ ہے کہ جسقدر نرالی ہے اُسیقدر ٹھیک بھی ہے۔ پنچکی بھی بدون آب رواں کے نہیں چلتی اور خرچ بھی بغیر آمدنی کے نہیں چلتا۔ پنچکی بھی پانی کے بند ہوجانے پر کسی عارضی قوّت سے نہیں چلائی جاتی ہے تو اُس کی گردش عارضی اور بے ثبات ہوتی ہے۔ خرچ بھی جو بدون آمدنی کے اندوختہ وغیرہ سے چلتا ہے بے بُنیاد اور ناپائدار ہوتا ہے۔ پھر اس تمام مطلب کو جو کہ ہمنے تشبیہ کے معنے سمجھانے کے لئے لکھا ہے شیخ نے اِن مختصر اور جامع لفظوں میں ادا کیا ہے "یعنی خرچ فراوان کردن مسلّم کسے راست کہ دخلے معیّن دارد" اِس کے بعد قطعہ میں ایک نہایت بدیہی مثال دے کر بے بُنیاد خرچ کا مآل ہر شخص کو آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا ہے اور اُس مقولہ کو ملّاحوں کی طرف منسوب کرکے یہ جتایا ہے کہ یہہ ایسی بدیہی بات ہے کہ دجلے کے کنارے پر ہمیشہ ملّاحی گیتوں میں گائی جاتی ہے

قاآنی نے آمدنی کو منبع سے اور اخراجات کو ندیوں سے تشبیہ دی ہے تشبیہ یہ بھی عمدہ ہے مگر یہ شیخ کی اُس تمثیل سے ماخوذ ہے جو اُسنے قطعہ میں بیان کی ہے لیکن چونکہ یہ تمثیل نہایت موٹی اور معمولی تھی اسلئے شیخ نے اسکو ملاحوں کی طرف منسوب کیا ہے اور قاآنی کو یہ بات نہیں سوجھی - پھر قاآنی کے بیان سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سرچشمہ کے بند ہوتے ہی ندیاں خشک ہو جاتی ہیں - اور شیخ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسیقدر مُدت کے بعد خشک ہوتی ہیں اور فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے جیسا شیخ نے لکھا ہے - پھر شیخ نے منبع کے بند ہوجانے کو قدرتی اسباب یعنی امساک باران کی طرف مُستند کیا ہے اور یہ کہا ہے "اگر باراں بکوہستاں نہ بارد" اور قاآنی کہتا ہے کہ جو شخص ندی جاری رکھنی چاہے وہ سرچشمہ کی خبر رکھے یعنے اُسکو بند ہونے نہ دے حالانکہ یہ امر انسان کی طاقت سے باہر ہے - پھر قاآنی نے تمثیل سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جو شخص ندی کا جاری رہنا چاہے وہ سرچشمہ کی خبر رکھے - اگرچہ مطلب اِس سے بھی مفہوم ہوجاتا ہے لیکن اس جگہ مقتضاے مقام کے موافق اُسکو یہ کہنا چاہئے تھا کہ جو شخص ہمیشہ اپنا خرچ جاری رکھنا چاہے اُسکو آمدنی پر نظر رکھنی چاہئے کیونکہ تمثیل اِسی مطلب کے سمجھانے کو دی گئی ہے نہ اسبات کے سمجھانیکو کہ اگر ندی میں پانی جاری رہنا چاہو تو سرچشمہ کی خبر رکھو - دوسری عبارت کو قاآنی نے اِس جملہ سے شروع کیا ہے "خرج باندازۂ دخل باید کرد" اسکے بعد وُہ کہتا ہے "نہ آنکہ خرج معلوم باشد و دخل موہوم" یہ دوسرا جملہ اُسنے مقتضاے مقام کے موافق نہیں بلکہ اپنی حالت کے موافق لکھا ہے کیونکہ سُنا گیا ہے کہ وہ اکثر جشن وعید وغیرہ کے موقعوں پر دخل موہوم یعنے قصائد کے صلہ

کی توقع پر قرض لیکر خرچ کرلیا کرتا تھا ورنہ مقتضائے مقام یہ ہونا چاہئے تھا۔
"نہ آنکہ دخل اندک باشد و خرج بسیار" یا "نہ آنکہ دخل پنج باشد و خرج دہ" یا اور
اسی مضمون کا کوئی جملہ ہوتا کیونکہ آمدنی کے موافق خرچ کرنے کا مفہوم مخالف یہی
مضمون ہوسکتا ہے۔ اس کے سوا وہ مضمون فی نفسہٖ صحیح بھی نہیں ہے۔ کیونکہ
دخل موہوم کی امید پر خرچ کرنا خاص خاص صورتوں کے سوا کسیکے نزدیک مذموم
نہیں ہے۔ تمام تاجر اور کاشتکار اور مدبران ملک دخل موہوم ہی کے بھروسہ
پر لکھوکھا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر ایسے خرچ کو جو دخل موہوم کی امید پر کیا جائے
موہوم یا معدوم گھوڑے پر سوار ہونے سے کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی معدوم
گھوڑے پر بے شک کوئی سوار نہیں ہوسکتا لیکن دخل موہوم کی امید پر جیسا کہ اوپر
مثال ۲ بیان کیا گیا ہزاروں آدمی خرچ کرسکتے اور کرتے ہیں۔

گلستان۔ خشم بیش از حد گرفتن
وحشت آرد و لطف بیوقت ہیبت ببرد
نہ چنداں درشتی کن کہ از تو سیر گردند
نہ چنداں نرمی کہ بر تو دلیر **ابیات**
درشتی و نرمی بہم در بہ است ۔ چو
رگ زن کہ جراح و مرہم نہ ست درشتی
نگیرد خردمند بیش ۔ نہ سستی کہ نازل
کند قدر خویش **نظم** شبانے با پدر
گفت اے خردمند ۔ مرا تعلیم کن پیرانہ

پریشان۔ کسانیکہ ظرافت و شوخی
بسیار کنند یا بغایت رقیق القلب و
وسیع الخلق باشند سرداری و سالاری
لشکر را نشایند۔ چہ ایں صفات موجب
جسارت لشکریاں شود و گاہ باشد کہ
ہرچہ گوید بہ ظرافت و شوخی حمل کنند و
نیز اندک مہربانی و وسعت خلق لازم
است کہ لشکریاں را بہم خستن و بستن
نباشد ۔ وو دنیست کہ از ہم چشم و

یک پند * بگفتا نیکروی کن نہ چنداں
کہ گردد چیرہ گرگِ تیز دنداں -

گوش حقوقِ نعمت بادشاہ فراموش
کنند و در مخالفت ہمزباں شوند و
در وقتِ کار سستی کنند تا کار فاسد
شود **مثنوی** کسے را کہ شد حکمران
بر سپاہ - دو خصلت ہمیداشت باید
نگاہ * عتابے نہاں اندر و صد خطاب -
خطابے نہاں اندر و صد عتاب * بہر
نوش او نیش ہا جاں گداز - بہر
نیش او نوشہا دلنواز * بیکدست
شمشیر زہرآب دار - بیک دست
دریاے گوہر نثار *

اِس مثال میں گلستاں اور پریشاں کے مضمون میں کسیقدر فرق ہے - گلستان میں کسی خاص گروہ کی تخصیص نہیں ہے اور پریشاں میں لشکر کے افسروں اور سپہ سالاروں کی تخصیص ہے اسلئے پورا پورا مقابلہ نہیں ہوسکتا لیکن چونکہ نفس مضمون مُتحِد ہے اِسواسطے کچھ کچھ پہلو مقابلہ کے نکل سکتے ہیں - شیخ کا بیان لفظاً و معنیً قاآنی کے بیان سے بمراتب فایق تر ہے - اوّل تو شیخ کے فقروں میں ایک خاص قسم کا وزن اور تول ہے جو قاآنی کے فقروں میں نہیں ہے - نثر میں ایسا تناسب بشرطیکہ معنی مقصود اور فصاحت و بلاغت میں کچھ فرق نہ آئے پہلے درجہ کا کمال انشا پردازی اور اعلیٰ سے اعلیٰ رُتبہ کی شاعری ہے - شیخ کے چاروں

فقروں میں الفاظ متقابلہ ایسی خوبی سے واقع ہوئے ہیں کہ معنی مقصود کو اُن سے اور زیادہ رَونق ہوگئی ہے - یعنی خشم اور لطف - بیش از حد اور بیوقت - وحشت اور ہیبت - آرو اور بہرو - درشتی اور نرمی کو جو فصاد کی حالت سے تمثیل دی ہے وہ کیسی بلیغ ہے اور کسقدر مختصر لفظوں میں ادا کی گئی ہے - اور دوسری بیت میں کتنا وسیع مضمون دو مصرعوں میں بیان کیا ہے یعنی یہ کہ درشتی کو اپنا اشعار بنا لینا اور کبھی نرمی نہ برتنا جیسا کہ لفظ پیش گرفتن سے مستفاد ہوتا ہے اچھا نہیں ہے کیونکہ عقلمند ایسا نہیں کرتے اور بالکل نرمی ہی نرمی برتنا اور کبھی درشتی نہ کرنا جیسا کہ سستی کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے یہ بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ اس سے انسان نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے - پھر دوسری نظم میں صرف اتنی سی بات کو کہ نیکی بے محل کرنی نہیں چاہئے کیسے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے خصوصاً چنداں کا قافیہ متناسب اور موزون لانیکے لئے کس مطلب کو کن لفظوں میں ادا کیا ہے - قاآنی کی نثر میں بمقابلہ شیخ کی نثر کے کوئی خوبی جو قابل ذکر ہو نہیں پائی جاتی - اور نظم میں بھی حقیقت اور معنی کی نسبت الفاظ کی چمک دمک زیادہ ہے - چونکہ دونوں عبارتوں میں فرق بیّن معلوم ہوتا ہے اسلئے پریشان کی عبارت میں زیادہ نکتہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی •

اَب ہم اِن اضافی خوبیوں کا بیان چھوڑکر گلستان کے ذاتی محاسن کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں - اس کتاب کی عمدہ خاصیتوں میں سے ایک یہ خاصیت بھی فارسی لٹریچر میں نہایت عجیب اور قابل لحاظ ہے کہ فارسی اور اردو کی تحریر و تقریر میں جسقدر گلستان کے جملے اور اشعار اور مصرعے

ضرب المثل ہیں اور کسی کتاب کے نہیں دیکھے گئے - اُن میں سے کسیقدر یہاں
نقل کئے جاتے ہیں - ۱ - ہر عیب کہ سلطاں بپسندد ہنر است -
۲ - ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت - ۳ - حاجتِ مشاطہ نیست روے دلارام را
۴ - ہر چہ بقامت کہتر بقیمت بہتر - ۵ - ہر کہ دست از جان بشوید ہر چہ
در دل دارد بگوید - ۶ - دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو بادشاہ در اقلیمے
نگنجند - ۷ - سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ بیل - چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل -
۸ - پرتوِ نیکاں نگیرد ہر کہ بُنیادش بد است - ۹ - افعی را کشتن و بچہ اش را
نگاہ داشتن کارِ خردمندان نیست - ۱۰ - پسرِ نوح با بداں بنشست -
خاندانِ نبوتش گم شد - ۱۱ - دُشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد - ۱۲ - عاقبت
گرگ زادہ گرگ شود - ۱۳ - در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس - ۱۴ -
تونگری بہ دل ست نہ بمال و بزرگی بعقلست نہ بسال - ۱۵ - دُشمن چہ کند
چو مہرباں باشد دوست - ۱۶ - حسود را چکنم کوز خود برنج درست - ۱۷ - قدر
عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید - ۱۸ - آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند - ۱۹
چو عضوے بدرد آورد روزگار - دگر عضوہا را نماند قرار - ۲۰ - دامن از کجا
آرم کہ جامہ ندارم - ۲۱ - گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند
۲۲ - ہر کجا چشمہ بود شیریں - مردم و مرغ و مور گرد آیند - ۲۳ - راستی موجب
رضائے خداست - کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست - ۲۴ - آنرا کہ
حساب پاکست از محاسبہ چہ باک - ۲۵ - تو پاک باش برادر مدار از کس باک -
زنند جامہ ناپاک گازراں بر سنگ - ۲۶ - تا تریاق از عراق آوردہ

شود مار گزیده مرده شود - ۲۷ به دریا در منافع بے شمار است - وگر خواہی سلامت
برکنار است ۲۸ دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست + در پریشاں حالی و
درماندگی ۲۹ در میر و وزیر و سلطاں را + بے وسیلت مگرد پیرامن +
سگ و دربان چو یافتند غریب + ایں گریبانش گیرد و آں دامن ۳۰
خدائے راست مسلّم بزرگی والطاف - کہ جرم بیند و ناں برقرار میدارد
۳۱ بنیادِ ظلم اوّل در جہان اندک بود ہر کہ آمد برآں مزید کرد تا بدیں غایت
رسید ۳۲ ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد + ساعدِ سیمین خود را رنجہ کرد - ۳۳ چو
کردی با کلوخ انداز پیکار - سرِ خود را بنادانی شکستی + چو سنگ انداختی
بر روئے دشمن - حذر کن کاندر آماجش نشستی ۳۴ کس نیاموخت
علمِ تیر از من - کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد ۳۵ دریاب کنوں کہ نعمت ہست
بدست - کایں دولت و ملک میرود دست بدست ۳۶ گر وزیر از خدا
بترسیدے + ہمچناں کز ملک ملک بودے ۳۷ بر گردنِ او بماند و برما بگذشت -
۳۸ اگر شہ روز را گوید شب است ایں + بباید گفت اینک ماہ و پروین -
۳۹ جہاندیدہ بسیار گوید دروغ ۴۰ چو کارے بے فضولِ من برآید - مرا
در وے سخن گفتن نشاید ۴۱ اگر روزی بدانش برفزودے + ز نادان
تنگ تر روزی نبودے ۴۲ محتسب در درونِ خانہ چہ کار ۴۳ ہر کہ عیبِ
دگراں پیشِ تو آورد و شمرد + بیگماں عیبِ تو پیشِ دگراں خواہد برد - ۴۴
یار شاطرم نہ بارِ خاطر - ۴۵ چو از قومے یکے بیدانشی کرد - نہ کہ را منزلت
ماند نہ مہ را - ۴۶ من آنم کہ من دانم ۴۷ گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم + گہے

بر پشت پاے خود نه بینیم ۴۸ فهم سخن گر نکند مستمع ـ قوّت طبع از متکلّم مجوی ۴۹
خانهٔ دوستان بروب و درِ دشمنان مکوب ۵۰ درویش صفت باش و کلاهِ
تتری دار ـ ۵۱ نیک باشی و بدت گوید خلق + به که بد باشی و نیکت گویند ـ
۵۲ اگر دنیا نباشد دردمندم + وگر باشد بمهرش پاے بندم ۵۳ درویش
هر کجا که شب آمد سراے اوست ۵۴ پاے در زنجیر پیشِ دوستان + به که با
بیگانگان در بوستان ۵۵ زنِ بد در سراے مرد نکو + همدرین عالم است دوزخ
او ۵۶ کوفته را نان تهی کوفته است ۵۷ او خویشتن گم است کرا رهبری
کند ـ ۵۸ باطل است آنچه مدّعی گوید ۵۹ مرد باید که گیرد اندر گوش + ور
نوشته است پند بر دیوار ۶۰ خاک شو پیش از آنکه خاک شوی ۶۱ ـ اگر
خاکی نباشد آدمی نیست ۶۲ همه اگر شتاب کند همره تو نیست ۶۳ خوے بد
در طبیعتے که نشست + نرود جز بوقتِ مرگ از دست ۶۴ حقّا که با عقوبت
دوزخ برابر است + رفتن بپاے مردی همسایه در بهشت ۶۵ خوردن
براے زیستن و ذکر کردن است + تو معتقد که زیستن از بهر خوردن است ۶۶
نه چندان بخور کز دهانت بر آید + نه چندان که از ضعف جانت بر آید ـ ۶۷
عطاے او به لقاے او بخشیدم ۶۸ هر که نان از عمل خویش خورد + منّت
حاتم طائی نبرد ۶۹ گربهٔ مسکین اگر پر داشتے + تخمِ کنجشک از جهان بر داشتے
۷۰ مور همان به که نباشد پرش ۷۱ گفت چشمِ تنگِ دنیا دار را + یا قناعت پر
کند یا خاکِ گور ۷۲ منعم بکوه و دشت و بیابان غریب نیست ۷۳ شاهد
آنجا که رود عزّت و حرمت بیند + ور براند بقهرش پدر و مادر خویش ـ

۷۵ به از روئے زیباست آواز خوش ۔ کہ ایں حظِ نفس ست وآں قوتِ روح
۷۶ رزق ہرچند بیگماں برسد ۔ شرطِ عقل ست جستن از درہا ۷۷ بد وزد
طمع دیدۂ ہوشمند ۷۸ مورچگاں را چو بود اتفاق ۔ شیرِ ژیاں را بدرانند پوست
۷۹ صیاد نہ ہر بار شکارے ببرد ۔ باشد کہ یکے روز پلنگش بدرد ۔ ۸۰
گاہ باشد کہ کودکے ناداں ۔ بغلط بر ہدف زند تیرے ۸۱ گردنِ بے طمع
بلند بود ۸۲ ایں شکمِ بے ہنر پیچ پیچ ۔ صبر ندارد کہ بسازد بہ ہیچ ۸۳ یکے
نقصانِ مایہ ودوم شماتتِ ہمسایہ ۸۴ اگر از ہر دو جانب جاہلانند ۔ اگر زنجیر باشد
بگسلانند ۔ ۸۵ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں ۸۶ تو بر اوجِ فلکے چہ دانی چیست ۔
چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست ۸۷ گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ۔ ببری رونقِ
مسلمانی ۔ ۸۸ چشمِ بد اندیش کہ برکندہ باد ۔ عیب نماید ہنرش در نظر ۸۹
نکوئی با بداں کردن چنانست ۔ کہ بد کردن بجائے نیکمرداں ۔ ۹۰ سرِ ما نداری
سرِ خویش گیر ۹۱ ناز بر آں کن کہ خریدارِ تست ۔ ۹۲ خطائے بزرگاں گرفتن
خطاست ۹۳ چوں مختبط شد اعتدالِ مزاج ۔ نہ عزیمت اثر کند نہ علاج ۹۴ زنِ
جوان را اگر تیرے در پہلو نشیند بہ کہ پیرے ۹۵ تو بجائے پدر چہ کردی خیر ۔ تا ہماں
چشم داری از پسرت ۹۶ اسپِ تازی دو تگ رود بشتاب ۔ اشتر آہستہ
مے رود شب و روز ۹۷ خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔ چوں بیاید ہنوز خر باشد ۹۸
میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز ۹۹ اگر صد عیب دارد مردِ درویش ۔ رفیقانش
یکے از صد ندانند ۔ وگر یک ناپسند آید ز سلطاں ۔ ز اقلیمے باقلیمے رسانند ۔
۱۰۰ ہر کہ در خردیش ادب نکنند ۔ در بزرگی صلاح ازو برخاست ۔

۱۰۱ ہر آں طفل کو جورِ آموزگار - نہ بیند جفا بیند از روزگار - ۱۰۲ جورِ استاد
بہ ز مہرِ پدر ۱۰۳ چو دخلت نیست خرج آہستہ ترکن ۱۰۴ کریماں را بدست اندر
درم نیست - خداوندانِ نعمت را کرم نیست ۱۰۵ پراگندہ روزی پراگندہ
دل - خداوند روزی بحق مشتغل ۱۰۶ سگے را گر کلوخے بر سر آید - ز شادی
برجہد کایں استخوانِ ست + وگر نعشے دوکس بر دوش گیرند - لئیم الطبع پندارد
کہ خوانِ ست ۱۰۷ ہر جا کہ گلست خارست ۱۰۸ منت منہ کہ خدمتِ سلطاں
ہمے کنم - منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت ۱۰۹ نہ محقق بود نہ دانشمند
چارپائے برو کتابے چند ۱۱۰ پیش دیوار آنچہ گوئی ہوشدار - تا نباشد
در پسِ دیوار گوش ۱۱۱ ہمہ کس را عقلِ خود بکمال نماید و فرزندِ خود بجمال -
۱۱۲ گر از بسیطِ زمین عقل منعدم گردد - بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم ۱۱۳
کہ خبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم - ۱۱۴ درشتی و نرمی بہم در بہ است -
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است ۱۱۵ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار
بگوید ۱۱۶ اندک اندک شود بہم بسیار ۱۱۷ کہ بسیار خوداست بسیار خوار
۱۱۸ بر رسولاں بلاغ باشد و بس ۱۱۹ کہن جامۂ خویش آراستن -
بہ از جامۂ عاریت خواستن +

یہ تمام مقولے جو نقل کئے گئے ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو تحریر
اور تقریر دونوں میں استعمال کئے جاتے ہیں - مگر تقریباً اسیقدر اور فقرے
اور اشعار گلستان میں ایسے بھی ہیں جو محض تحریروں میں برتے جاتے ہیں
وہ یہاں نقل نہیں کئے گئے - یہ امر قابل لحاظ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں

گلستان اور بوستان شائع ہوئی ہیں وہاں زیادہ تر اُن کا استعمال کم عمر اور نو استعداد لڑکوں کی تعلیم و تعلم میں پایا جاتا ہے۔ اور اسی لئے چھ سو برس سے شیخ کے یہ دونو کارنامے برابر بازیچۂ طفلاں اور دستخوش کودکاں رہی ہیں ظاہر ہے کہ جس سن و سال کے لڑکوں کو یہ کتابیں پڑہائی جاتی ہیں اُنکی استعداد اور سمجھ اس قابل نہیں ہوتی کہ شیخ کی فصاحت و بلاغت کا جو کہ اُسنے اِن کتابوں میں برتی ہے کچھ بھی اندازہ کرسکیں۔ لیکن چونکہ بچّوں کا حافظہ عمدہ ہوتا ہے اسلئے کچھ کچھ فقرے یا اشعار اُن کو یاد رہ جاتے ہیں۔ پس جسقدر گلستان اور بوستان کے فقرے اور اشعار بول چال میں ضرب المثل ہوگئے ہیں اُنمیں زیادہ تر وہ ہیں جو لوگوں کو بچپن سے نوک زبان ہوتے ہیں اور جن کے مضمون سے وہ باوجود صغرسن کے لذّت یاب ہوچکے ہیں۔ ورنہ اگر یہ کتابیں بھی شکسپیر ملٹن کی طرح ایشیا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے مطالعہ میں رہتیں اور عورت اور مرد اور بوڑھے اور جوان سب لوگ اُنکو دیکھا کرتے تو میں امید کرتا ہوں کہ گلستان کا ایک بڑا حصّہ اور اُس سے کسیقدر کم بوستاں کے اشعار جمہور کی زبان پر اسی طرح جاری ہوجاتے جیسے مذکورہ بالا فقرے اور اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ کیونکہ اِن دونو کتابوں میں شیخ کا بیان اسقدر عام طبائع کے مناسب اور ہر فرقہ اور ہر گروہ کی ضرورت اور مذاق اور اغراض کے موافق واقع ہوا ہے کہ ہر فقرہ اور ہر شعر میں ضرب المثل ہونیکی قابلیّت پائی جاتی ہے۔ ہمیشہ وہ اقوال ضرب المثل بنتے ہیں جنکا مضمون عام لوگوں کے حسب حال ہو۔ الفاظ سیدھے اور صاف ہوں۔

اور انداز بیان میں کسقدر لطافت پائی جاے - سو یہ خاصیت شیخ کے کلام میں عموماً اور گلستان بوستان میں خصوصاً پائی جاتی ہے -

یہاں ہم گلستان کے متعلق بحث ملتوی کرکے کسیقدر بوستان کا حال لکھتے ہیں - یہ کتاب بھی تقریباً اُسیقدر مقبول ہوئی ہے جسقدر گلستان اور اُسکی تعلیم بھی اکثر ملکوں میں اُسی طرح جاری ہے جیسے گلستان کی - مثنوی میں فردوسی کو عموماً تمام شعرا پر ترجیح دی گئی ہے اور حقیقت میں رزم کا بیان باوجود نہایت سادگی اور صفائی کے جیسا مؤثر اور پُرجوش اُسکے قلم سے تراوش کرتا ہے ایسا اور کسی سے بن نہیں آیا - لیکن مثنوی میں مطلقاً فردوسی کو سب سے افضل قرار دینا ٹھیک نہیں ہے - ہمارے نزدیک جسطرح طعن و ضرب اور جنگ و حرب کا بیان فردوسی پر ختم ہے اسی طرح اخلاق نصیحت و پند - عشق و جوانی - ظرافت و مزاح زہد و ریا وغیرہ کا بیان شیخ پر ختم ہے - شاہنامہ میں جہاں کہیں فردوسی کو بہادری اور رزم کے سوا کوئی اور بیان کرنا پڑتا ہے وہاں اُس کے کلام میں وہ خوبی اور لطافت نہیں پائی جاتی - یہی سبب ہے کہ اُس کی عشقیہ مثنوی یوسف و زلیخا اِسقدر مقبول نہیں ہوئی جسقدر شاہنامہ مقبول ہوا ہے - شیخ نے بوستان میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے میرے کلام کی بہت سی تعریف کرنیکے بعد مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ اُس کو بہادری اور رزم کا بیان کرنا ویسا نہیں آتا جیسا کہ اور لوگوں کو آتا ہے یہ قصہ نقل کرکے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ "ہمکو لڑائی کا خیال ہی نہیں ہے ورنہ ہم کسی

بیان سے عاجز نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ میں اپنی تیغ زبان کو میان سے نکالکر تمام دفتر شعر و سخن پر قلم پھیر دوں" اسکے بعد ایک حکایت شاطر صفاہانی کی جنگ تاتار کے ذکر میں لکھی ہے جس سے اپنا زرمیہ بیان دکھانا مقصود ہے اگرچہ شیخ کی شیریں زبانی اور فصاحت کا انکار نہیں ہوسکتا لیکن شاہنامہ کی نظم کے سامنے اسکا رنگ جمنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام محسوسات اور وجدانیات کے مرغوب و نامرغوب ہونے میں الف و عادت کو بڑا دخل ہے۔ مرچ جسقدر عام ہندوستانیوں کو عادت مستمرہ کی وجہ سے مرغوب ہے اُسیقدر اکثر غیر ملک والوں کو خلاف عادت ہونیکے سبب نامرغوب ہے۔ اکثر عطر ہمکو خوشگوار اور غیر ملک والوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح لطف شعر جو کہ ایک وجدانی امر ہے بغیر الف و عادت کے ہرگز محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً انیس و دبیر کے مرثیے جس پیرایہ اور لباس میں مقبول ہوئے ہیں وُہ پیرایہ اسقدر مانوس ہوگیا ہے کہ اُسکے بغیر مرثیہ مقبول ہونا مشکل ہے۔ یعنی ضرور ہے کہ کچھ بند تلوار کی اور کچھ گھوڑے کی تعریف میں لکھے جائیں۔ کچھ بند ایسے بھی ہوں جنسے خود مرثیہ گو کی تعلّی اور فوقیت اَوروں پر ظاہر ہو۔ یہ بھی ضرور ہے کہ مرثیہ مسدس میں لکھا جاے اور مسدس انہیں بحروں میں سے کسی بحر میں ہو جو انیس و دبیر نے اختیار کی ہیں۔ پس جن خصوصیتوں کے ساتھ شاہنامہ مقبول ہوا ہے اُن کے بغیر کسی کی رزمیہ نظم مقبول نہیں ہوسکتی ضرور ہے کہ خالص فارسی میں جو عربی الفاظ سے پاک ہو رزم لکھی

جائے ۔ اور بشمار الفاظ جن میں فردوسی نے تصرف کیا ہے اور قیاس لغوی کے خلاف استعمال کئے ہیں کبھی کبھی قصداً اُسی طرح برتے جائیں جیسے شاہنامہ میں برتے گئے ہیں اور بے انتہا حشو و زوائد جن سے شاہنامہ بھرا ہوا ہے اشعار میں بہ تکلف داخل کئے جائیں ۔ پس شیخ کی رزمیہ حکایت جو شیخ کے شاہنامہ سے میل نہیں کھاتی اسکا یہی سبب ہے کہ شیخ نے ان باتوں میں سے کسی بات کا التزام نہیں کیا ۔ فردوسی نے بھی یہی گُر اختیار کیا تھا جس سے اُسکی مثنوی مقبول ہوئی ۔ دقیقی نے جو فردوسی سے پہلے ہزار بیتوں میں گشتاسپ اور ارجاسپ کی داستان نظم کی تھی وُہ سکو پسند آچکی تھی ۔ جب دقیقی وُہ داستان لکھکر دفعۃً مرگیا اور فردوسی کی نوبت آئی تو اُسنے بھی وہی روش اختیار کی جو دقیقی نے اختیار کی تھی ۔ چنانچہ دقیقی کی لکھی ہوئی داستان عام شاہناموں میں موجود ہے ۔ دونوں کے کلام میں کوئی نمایاں فرق نہیں معلوم ہوتا یہانتک کہ جو لوگ اِس حال سے واقف نہیں ہیں وہ اُسکو بھی فردوسی ہی کا کلام سمجھتے ہیں ۔

فارسی میں چار مثنویاں ہیں جو شہرت اور قبولیت میں تقریباً متساوی الاقدام ہیں ۔ شاہنامہ ۔ سکندرنامہ ۔ مثنوی معنوی ۔ اور بوستان ۔ شاہنامہ اور مثنوی معنوی کو سکندرنامہ اور بوستان سے وہ نسبت ہے جو ایک کامل خوشنویس کی بے ساختہ مشق کو اُسکے بنائے ہوئے اور مرتب کئے ہوئے قطعہ سے ہوتی ہے ۔ قطعہ

اگرچہ رُخ اور کرسی اور حروف کی نشست اور تقسیم وغیرہ کے لحاظ سے مشق کی نسبت بے عیب ہوتا ہے اور اُسکے اجزا میں پست و بلند کا تفاوت بہت کم ہوتا ہے اور تمام حروف تقریباً ہموار اور یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر مشق میں بہت سی کششیں اور دوائر وغیرہ بے ساختہ اُس کے قلم سے ایسے نکل جاتے ہیں کہ اگر خوشنویس خود کوشش کرے تو قطعہ میں شاید ویسی کششیں اور دوائرے نہ لکھ سکے - یہی سبب ہے کہ خوشنویس لوگ اگلے استادوں کی مشق کو اُن کے قطعات سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں فردوسی رح اور مولانا روم رح نے اگرچہ اپنی مثنویوں میں بخلاف نظامی رح اور سعدی رح کے الفاظ کی زیادہ تنقیح و تہذیب اور کانٹ چھانٹ نہیں کی مگر باوجود اِسکے صدہا مقامات اُن سے ایسے حسن و خوبی کے ساتھ ادا ہوے ہیں کہ تکلف اور ساختگی کی حالت میں شاید ادا نہ ہو سکتے۔

بوستان اور سکندر نامہ صرف اِس لحاظ سے کہ دونوں کمال تنقیح و تہذیب اور بہ جہت فکر و نظر کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور دونوں میں صنعتِ شاعری کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے - شاید ایک دوسرے سے مُشابہ ہوں - لیکن دونوں کے انداز بیان میں نہبت بڑا تفاوت ہے سکندر نامہ میں شاعرانہ مُبالغہ - زورِ بیان - شوکتِ الفاظ - طُرفگی استعارات - تنوع تمثیلات - ایک ایک مطلب نئے نئے اسلوب سے ادا کرنا - ہر داستان کو ایک بڑی دھوم دھام کی تمہید کے ساتھ شروع کرنا اور اِسی طرح کی اور شاندار باتیں پائی جاتی ہیں - برخلاف اِسکے بوستان

میں نہایت سادگی ۔ الفاظ کی نرمی اور گھلاوٹ ۔ ترکیبوں کا سلجھاؤ بیان کی صفائی ۔ عبارت کی دلنشینی ۔ خیالات کی ہمواری ۔ مبالغہ میں اعتدال ۔ ماخذ میں سہولیت ۔ حسن ترتیب ۔ لطف ادا ۔ تمثیلات کی برجستگی ۔ استعارات کی لطافت ۔ کنایات کی شوخی ۔ باوجود صنعت شاعری کے نہایت بے تکلفی اور باوجود ساختگی کے کمال بے ساختہ پن پایا جاتا ہے ۔

مثلاً اس مطلب کو کہ زمین میں خدا کی بے انتہا مخلوق دبی ہوئی ہے ۔ مولانا نظامی سکندرنامہ میں اسطرح ادا کرتے ہیں ۔

فلک در بلندی زمیں در مغاک	یکے طشتِ خوں شد یکے طشتِ خاک
نبشتہ بریں ہر دو آلودہ طشت	ز خونِ سیاوش بسے سرنوشت
زمیں گر بضاعت بروں آورد	ہمہ خاک در زیرِ خوں آورد

یہی مطلب سکندرنامہ میں دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے ۔

کہ داند ایں دخمۂ دام و دد	چہ تاریخہا دارد از نیک و بد
چہ نیرنگ با بخرداں ساختہ است	چہ گردن کشاں را سر انداختہ ست

شیخ نے اسی مطلب کو بوستان میں یوں بیان کیا ہے ۔

زدم تیشہ یک روز بر تلِ خاک	بگوش آمدم نالۂ دردناک
کہ زنہار گر مردی آہستہ تر	کہ چشم و بناگوش و روے ست و سر

یہی مطلب بوستان میں دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے ۔

دریں باغ سروے نیامد بلند	کہ باد اجل بیخش از بن نکند

عجب نیست بر خاک اگر گل شگفت | که چندیں گل اندام در خاک خفت

قناعت کی ترغیب سکندرنامہ میں اسطرح دی ہے۔

تو نیز ار نہی بار گردن ز دوش | ز گردن کشاں بر نیاری خروش
چو دریا بسرمایۂ خویش باش | ہم از بود خود سود خود بر تراش
بہائی خویش تا روز مرگ | درختے شو از خویشتن ساز برگ
چو پیلہ ز برگ کساں خورد گاز | ہمہ تن شد انگشت وقتے کرد باز

بوستان میں یہی مطلب اسطرح ادا ہوا ہے۔

شنیدی کہ در روزگار قدیم | شدے سنگ بر دست ابدال سیم
پنداری ایں قول معقول نیست | چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست
چو طفل اندروں دارد از حرص پاک | چہ مشتِ زرش پیش و چہ مشتِ خاک
خبر دہ بدرویش سلطان پرست | کہ سلطاں ز درویش مسکیں تر است
گدا را کند یک درم سیم سیر | فریدوں بملکِ عجم نیم سیر
گدائے کہ بر خاطرش بند نیست | بہ از بادشاہے کہ خرسند نیست
بخسپند خوش روستائی و جفت | بذوقے کہ سلطاں در ایواں نخفت

مآل اندیشی اور پیش بینی کی نصیحت سکندرنامہ میں اس طرح کی گئی ہے۔

میفگن گول گرچہ عار آیدت | کہ ہنگام سرما بکار آیدت
خرے بر کریوہ ز سختی بمرد | کہ از کاہلی جُل با خود نہ برد

یہی مضمون بوستان میں اسطرح ادا کیا گیا ہے۔

به دختر چه خوش گفت بانوی ده — که روز نوا برگ سختی بنه
همه وقت بر دار مشک و سبوی — که پیوسته در ده روان نیست جوی

سکندر نامہ میں عہد شباب پر تحسّر اسطرح کیا گیا ہے ؎

جوانی شد و زندگانی نماند — جهان گو ممان چون جوانی نماند
جوانی بود خوبی آدمی — چو خوبی رود کی بود خرمی
چو پیوست پوسیده شد استخوان — دگر قصهٔ خوبرویی مخوان
غرور جوانی چو از سر گذشت — ز گستاخ کاری فرو شوی دست
بهی چهره باغ چندان بود — که شمشاد با لاله خندان بود
چو باد خزانی در افتد به باغ — زمانه دهد جای بلبل به زاغ
بود برگ ریزان چو شاخ بلند — دل باغبان زان شود دردمند
ریاحین ز بستان شود ناپدید — در باغ را کس نجوید کلید
بنال ای کهن بلبل سالخورد — که رخسارهٔ سرخ گل گشت زرد
دو تا شد سهی سرو آراسته — کدیور شد از باغ برخاسته
چو تاریخ پنجه در آمد به سال — دگرگونه شد بر شتابنده حال
سر از بار سختی در آمد به سنگ — جمازه به تنگ آمد از راه تنگ
فرو ماند دستم ز می خواستن — گران گشت پایم ز برخاستن
تنم گونهٔ لاجوردی گرفت — گلم سرخی انداخت زردی گرفت
همیون رونده ز ره مانده باز — ببالین گر آمد سرم را نیاز
همان گوی چوگانی باد پای — بصد زخم چوگان نجنبد ز جای

طرب را بہ میخانہ گم شد کلید
نشانِ پشیمانی آمد پدید

بوستان میں یہی مضمون ایک حکایت کے ضمن میں اِس طرح ادا کیا گیا ہے ۔

چو بادِ صبا بر گلستاں وزد
چمیدن درختِ جواں را سزد

چمد تا جوان ست و سرسبز خید
شکستہ شود چون بہ زردی رسید

بہاراں کہ یاد آورد بید مشک
بریزد درختِ کہن برگ خشک

نہ زیبد مرا با جواناں چمید
کہ بر عارضم صبح پیری دمید

بقید اندرم جُرّہ بازے کہ بود
دمادم سررشتہ، خواہد ربود

شما راست نوبت بریں خوان نشست
کہ ما از تنعم بشستیم دست

چو بر سر نشست از بزرگی غبار
دگر چشم عیشِ جوانی مدار

مرا برف بارید بر پرِّ زاغ
نشاید چو بُلبُل تماشاے زاغ

کند جلوہ طاوس صاحب جمال
چہ میخواہی از بازِ برکندہ بال

مرا غلّہ نیک آمد اندر دِرَو
شما را کنوں میدمد سبزہ نو

گلستانِ مارا طراوت گزشت
کہ گل دستہ بندد چو پژمردہ گشت

مرا تکیہ جانِ پدر بر عصاست
دگر تکیہ بر زندگانی خطاست

مُسلّم جواں راست برپاے جَست
کہ پیراں برند استعانت بدست

گلِ سرخ رویم نگر زرِّ ناب
فرو رفت چوں زرد شد آفتاب

ہوس پختن از کودکِ ناتمام
چناں زشت نبود کہ از پیرِ خام

مرا ے بباید چو طفلاں گریست
زشرمِ گناہاں-نہ طفلانہ زیست

بگو گفت لقمان کہ نا زیستن	بہ از سالہا بہ خطا زیستن
ہم از بامداداں در کلبہ بست	بہ از سود و سرمایہ دادن ز دست
جواں تا رساند سیاہی بہ نور	برد پیر مسکیں سپیدی بہ گور

مذکورہ بالا مثالوں کے ملاحظہ سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ کے خیالات ہمیشہ سہل الماخذ ہوتے ہیں - وُہ معنیِ مقصود کو ایسی تمثیلوں میں بیان کرتا ہے جو ہمیشہ خاص و عام کے مشاہدہ میں آتی ہیں - بخلافِ مولانا نظامیؒ کے کہ اُن کے خیالات اور تمثیلات اکثر غرابت اور ندرت سے خالی نہیں ہوتیں -

شیخ نے جو شاطرِ صفاہانی کی حکایت میں اپنا رزمیہ بیان دکھایا ہے۔ اگرچہ بے تکلفی اور سادگی میں فردوسیؒ کے بیان سے نہیں ملتا لیکن مولانا نظامیؒ کی رزم سے جس میں سادگی کی نسبت شاعری کا زیادہ لُطف ہے بہت مشابہت رکھتا ہے چند شعر اُس حکایت کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار سکندرنامہ کے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں -

بوستان	سکندرنامہ
دو لشکر بہم بر زوند از کمیں	دو لشکر چو مورد ملخ تاختند
تو گفتی زوند آسماں بر زمیں	بزورِ جہاں در جہان ساختند
ز باریدنِ تیر ہمچوں تگرگ	بشمشیرِ لولاد و تیرِ خدنگ
بہر گوشہ بر خاست طوفانِ مرگ	گزند گاہ بر سور کردند تنگ

بصید ہژبران پرخاش ساز | کمند اژدہاے مسلسل شکنج
کمند اژدہاے دہن کردہ باز | دہن باز کردہ بتاراج گنج
زمیں آسماں شد ز گرد کبود | زمیں کو بسلسلے بُد آراستہ
چو انجم درو برق شمشیر و خود | غبارے شد از جاے برخاستہ
چو ابر اسپ تازی بر انگیختیم | برانگیخت زرمے چو بارندہ میغ
چو باراں بلارک فرو ریختیم | تگرگش ز پیکان و باراں ز تیغ

مگر حق یہ ہے کہ ایک دو حکایت کے ملا دینے سے مساوات اور برابری کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ۔ رزم میں فردوسی اپنی جگہ اور نظامی اپنی جگہ فی الحقیقت اپنا مثل نہیں رکھتے ۔

شیخ علی حزیں نے جسکو ہندوستان میں خاتم الشعرا سمجھتے ہیں بیس بائیس صفحہ کی ایک مثنوی جس کا نام خرابات ہے بوستاں کی طرز میں لکھی ہے اور اپنی عادت کے موافق اُسپر بہت کچھ افتخار کیا ہے چنانچہ مثنوی کے خاتمہ میں فرماتے ہیں ۔

سخن سنج گر ہست ہشیار مغز | کند قوت جاں ازیں گہرہاے نغز
ازیں نامہ گردوں پر آوازہ شد | روانِ سخن گستراں تازہ شد
نواے کہ ایں خامہ بنیاد کرد | دل طوسی و رودکی شاد کرد
بگوشِ نظامی اگر میرسید | سرودے ازیں خسروانی نشید
بہ تعظیمِ من رُخ نہادے بخاک | کہ خجستہ اے نیر تابناک
دگر سعدیٔ شہد پرور ادا | شنیدے زصورِ نے من نوا

سماعش ز سر عقل بردے و ہوش   زبان مُہر کردے شدے جملہ گوش

معلوم ہوتا ہے کہ علی حزین نے اپنے نزدیک اس مثنوی میں بوستان کے تتبع کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور وہ اُسکو اپنے لئے ایک سرمایہ ناز سمجھتا تھا۔ سوانح عمری میں اسی مثنوی کی نسبت لکھتا ہے کہ "بسیارے از مطالب عالیہ و سخنان دلپذیر دراں کتاب بسلکِ نظم درآمد" مگر دونوں کتابوں یعنی بوستان اور خرابات کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو صورتیں ایک شکل کی ہیں۔ ایک جاندار دوسری بے جان۔ لفظ اچھے بیان اچھا۔ مطالب عُمدہ۔ یہ سب کچھ سہی۔ مگر شیخ کے بیان میں ایک چھپا ہوا جادو ہے جو بوستان کو خرابات سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی مثال سے دونوں کا فرق بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ قحط کا بیان ایک جگہ بوستان میں بھی کیا گیا ہے اور خرابات میں بھی اتفاق سے یہ مضمون نکل آیا ہے۔ ہم دونو کے اشعار اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور فرق دونو کے طرز بیان اور طریقۂ ادا میں ہے اُسکو بھی کسیقدر بیان کریں گے۔

خرابات	بوستان
۱۔ شنیدم کہ در عہد بہرام گور	۱۔ چناں قحط سالی شد اندر دمشق
نمود از قضا قحط سالی ظہور	کہ یاراں فراموش کردند عشق
۲۔ چو صحرائے محشر زمیں تُف گرفت	۲۔ چناں آسماں بر زمیں شد بخیل
بہ دریوزۂ آسماں کف گرفت	کہ لب تر نکردند زرع و نخیل

٣ - بخورشید سرچشمہ ہاے قدیم
نماند آب جز آب چشم یتیم

٤ - نبودے بجز آہ بیوہ زنے
اگر برشدے دودے از روزنے

٥ - چو درویش بے برگ دیدم درخت
قوی بازوان سست و درماندہ سخت

٦ - نہ بر کوہ سبزی نہ در باغ شخ
ملخ بوستاں خوردہ مردم ملخ

٣ - سحاب سیہ دل نشد مہرباں
بحال لب تشنۂ خاکیاں

٤ - بخیلی نمود ابر بر کائنات
بہ ہر زمیں سوخت طفل نبات

٥ - ز خشکی در اندام خاک دو توہ
عروق شجر شد چو رگہاے کوہ

٦ - ز تاب فروزندہ مہر بلند
زمیں مجمر و دانہ بودش سپند

٧ - بطرے چو پستان بے شیر شد
ز خشکی چو پیکان گلوگیر شد

شیخ سعدی نے پہلے ہی شعر کے دوسرے مصرعہ میں جس حسن و لطافت کے ساتھ قحط کی سختی کی تصویر کھینچی ہے اس سے بہتر کوئی اسلوب بیان خیال میں نہیں آتا - قحط کی شرح ایک کتاب میں ایسی خوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتی جیسی اس ایک مصرعہ میں ہوی ہے "کہ یاراں فراموش کردند عشق" سہل ممتنع کا لفظ جو اکثر بولا جاتا ہے وہ اسی قسم کے بیان کو کہتے ہیں کہ بادی النظر میں نہایت سرسری معلوم ہو گر وہی مطلب دوسری بار کسی سے بلکہ خود مصنف سے بھی ویسا بیان نہ ہو سکے - اس بیان میں لطف یہ ہے کہ قحط کے بیان کے جتنے معمولی اسلوب ہیں یہ اسلوب اُن سب سے علحدہ ہے - قحط کی سختی ہمیشہ اس طرح بیان کی جاتی ہے "ایسا قحط پڑا کہ روٹی جان سے زیادہ عزیز ہوگئی - آدمی

بھوک میں آدمیوں کو کھاگئے - ماں باپ نے ایک ایک روٹی کے بدلے اولاد
کو بیچدیا - لاکھوں جاندار بھوکے مرگئے" غرضکہ تمام بیان ایسے ہوتے ہیں
جن سے غلہ کی گرانی - پانی کی نایابی - بھوک کی تکلیف اور اسی قسم کی باتیں
سمجھی جائیں - شیخ نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو سب سے نرالا اور سب سے
بلیغ ہے - اس اسلوب سے اُسکو یہ جتانا مقصود ہے کہ شاعر کے نزدیک عشق
ایک ایسی چیز ہے جو کسی حالت میں فراموش نہیں ہوتی - باوجود اس کے لوگ
اُسکو بھول گئے تھے - اور یاران کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ مصنف بھی
اُسی عشاق کے جرگے میں سے تھا - دوسرے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ مینہ
نہ برسا تھا مگر اُسکو کس عمدگی سے بیان کیا ہے - تیسرے شعر میں پانی کا نایاب ہونا
اور پھر یتیم کے آنسو کو اُس سے مستثنیٰ کرنا - چوتھے شعر میں کسی گھر کے روزن سے
باورچیخانے کے دھوئیں کا نہ نکلنا اور پھر اُس سے رانڈوں کی آہ کے دھوئیں
کو مستثنیٰ کرنا - پانچویں شعر میں درختوں کو بے برگی میں قحط زدہ درویشوں
اور مسکینوں سے تشبیہ دینا اور قوی پہلوانوں کا بے بس اور عاجز ہو جانا
یہ تمام اسلوب کسقدر لطیف اور دلکش ہیں - چھٹا شعر بلاغت اور حسن بیان
میں تقریباً ویسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہے جیسا پہلا - باوجود ان تمام خوبیوں کے کوئی
بات ایسی نہیں جو نیچر یا عادت کے خلاف ہو - قحط میں عشق کے ولولوں کا نیست و نابود
ہو جانا - درختوں کا سرسبز نہ ہونا - چشموں اور ندیوں کا خشک ہو جانا - یتیموں کا
رونا - گھروں میں کھانا نہ پکنا - بے وارث رانڈوں کے آہ و نالے - درختوں کا
بے برگ و بار - اور غریبوں کا بے سروساماں ہونا - پہلوانوں اور زبردستوں کا

درماندہ ہو جانا - پہاڑ اور جنگل میں سبزہ اور ہریاول کا نہ رہنا - ٹڈیوں کا باغ اور کھیتی کو اور آدمیوں کا ٹڈیوں کو کھانا - یہ سب باتیں ایسی ہیں جو قحط کے زمانہ میں اکثر کم و بیش ظہور میں آتی ہیں +

حزین نے باوجود اس کے کہ خرابات جو چند اوراق سے زیادہ نہیں ہے بوستان سے پانسو برس بعد لکھی ہے اور جیسا کہ اُس کے بیان سے مترشح ہوتا ہے اپنی پوری طاقت شیخ کے تتبع میں صرف کی ہے کوئی کرشمہ اُس کی مثنوی میں ایسا نہیں پایا جاتا جسکو دیکھکر جی بے اختیار پھڑک اُٹھے -

پہلا شعر ہموار اور صاف ہے اُس میں کوئی خوبی قابلِ ذکر نہیں - دوسرے شعر میں زمین تفتہ کو صحراے محشر سے تشبیہ دینا تعریف الشئ بالمجہول کے قبیل سے ہے یعنی ایک ایسی تمثیل ہے جو اہلِ دُنیا کی نظر میں قحط کی تصویر کھینچنے سے قاصر ہے - صحراے محشر اور تمام اعتقادیات خود تمثیل کی محتاج ہیں اُن پر قیاس کرنے سے کسی شئے کی حقیقت نہیں کُھل سکتی - تیسرا شعر بوستان کے اُس شعر سے ماخوذ ہے جو ذوالنون مصری اور مصر کے قحط کے بیان میں شیخ نے لکھا ہے اور وُہ یہ ہے -

خبر شد بہ مدین پس از روز بیست ۔ کہ ابر سیہ دل بر ایشاں گریست

مگر اتنا فرق ہے کہ شیخ نے ابر کے برسنے کو رونے سے تعبیر کیا ہے جس سے ترحم اور برسنا دونوں باتیں ٹپکتی ہیں اور حزین نے برسنے کو مہربان ہونے سے تعبیر کیا ہے جس سے دونوں معنی ویسے صاف نہیں نکلتے - چوتھا شعر شیخ کے اس شعر سے ماخوذ ہے +

چناں آسمان بر زمیں شد بخیل　　که لب تر نکردند زرع و نخیل

مگر شیخ کے بیان میں اتنا لطف زیادہ ہے کہ کھڑی کھیتی کا خشک ہوجانا زیادہ حسرت ناک ہے بہ نسبت اسکے کہ تخم زمین کے اندر ہی جل جائے۔ پانچویں شعر کا دوسرا مصرعہ بہت عمدہ مگر پہلا مصرعہ تکلف سے خالی نہیں۔ شعر کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ زمین کی خشکی کے سبب درختوں کی رگیں پہاڑ کی رگوں کی طرح سوکھ گئی تھیں پس اندام اور دو توتہ کے لفظ کو افادہ معنی میں کچھ دخل نہیں ہے چھٹے شعر میں صرف یہ بیان ہے کہ آفتاب کی گرمی سے زمین انگیٹھی کی طرح جلتی تھی اور تخم جو اسپر ڈالا جاتا تھا وہ سپند کا حکم رکھتا تھا پس فروزندہ اور بلند جو دو صفتیں مہر کی واقع ہوئی ہیں انہوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ فروزندہ مہر کہنے سے آفتاب کی گرمی کا زیادہ ثبوت ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ مہر بلند کہنے سے اُسکی گرمی کا خیال کم ہوجاتا ہے اور ایسی دو متضاد صفتیں لانی بلاغت کے خلاف ہیں۔ ساتویں شعر کا مضمون بالکل خلاف عادت اور خلاف مقتضائے مقام ہے۔ نہ قحط کا یہ خاصہ ہے کہ شراب کی صراحی کو خشک کردے اور نہ صراحی کا خشک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قحط کی شدت ہورہی ہے۔

یہ جو کچھ ہمنے بطور محاکمہ کے لکھا ہے اس سے خان آرزو کیطرح شیخ علی حزین پر حرفگیری کرنی ہمارا مقصود نہیں ہے اور نہ بوستان کو خرابات سے افضل ثابت کرنا مدنظر ہے کیونکہ نہ ہم شیخ علی حزین پر حرفگیری کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور نہ بوستان کے افضل ہونے میں کسیکو شبہہ ہے بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ کوئی شئے فی نفسہ کیسی ہی بے عیب ہو جب وہ کسی ایسی شئے کے مقابلہ میں لائی

جاتی ہے جو اُس سے بمراتب افضل اور فایق ہو تو اُس میں بیسیوں فروگذاشتیں اور قصور نظر آنے لگتے ہیں اگر خرابات بوستان کے جواب میں نہ ہوتی اور حسنِ اتفاق سے ایک مضمون کی حکایتیں دو نو مثنویوں میں نہ نکل آتیں نہ حزین کے بیان میں چون وچرا کرنے کا ہمکو خیال بھی نہ آتا کیونکہ یہ باتیں تقریباً تمام شعرا کے ہاں عامتہ الورود ہیں +

اَب ہم گلستاں اور بوستاں کی چند خاصیتیں ایسی بیان کرتے ہیں جو دونوں کتابوں میں تقریباً یکساں پائی جاتی ہیں اور جن کو اُن کے مقبول ہونے میں بہت بڑا دخل ہے۔ مثالوں کی جہاں ضرورت ہوگی کہیں صرف گلستاں سے اور کہیں صرف بوستان سے اور کہیں دونوں سے نقل کی جائیں گی۔

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اِن کتابوں کے مقبول ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ اِن میں سرتاپا اخلاق اور تہذیبِ نفس کے مضامین مندرج ہیں مگر میرے نزدیک اِن کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ اخلاق و مواعظ کو شیخ کے سوا کسی نے ایسی خوبی اور لطافت کے ساتھ فارسی زبان میں بیان نہیں کیا اخلاق میں بیسیوں کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں اور اَب تک موجود ہیں اور غالباً گلستاں و بوستاں میں کوئی پند و نصیحت ایسی نہ ہوگی جو اَوروں نے نہ لکھی ہو مگر کوئی کتاب اِن دونوں کتابوں کے برابر مقبول نہیں ہوئی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ قبولِ عام کا مدار زیادہ تر حُسنِ بیان اور لطفِ ادا پر ہے نہ کہ نفسِ مضامین پر۔ البتہ مضامین کو بھی

شہرت اور قبولیت میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسی لئے جو محاسن ان کتابوں کے ہم آگے لکھنے چاہتے ہیں وہ کسی قدر مضامین سے اور زیادہ تر حُسنِ معنی اور اسلوب بیان سے متعلق ہوں گے۔

ا۔ سب سے زیادہ تعجب انگیز بات ان دونوں کتابوں میں یہ ہے کہ جن باتوں میں مشرقی لٹریچر عموماً بدنام ہے وہ ان کتابوں میں اسقدر کم ہیں کہ چند مقامات مستثنیٰ کرنے کے بعد کوئی ایسی بات باقی نہیں رہتی جو زمانہ حال کے مورل اور سوشل خیالات کے برخلاف ہو۔ اور یہ امر ایسی پرانی کتابوں میں جنکے زمانۂ تصنیف کو ساڑھے چھ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں کچھ کم تعجب انگیز نہیں ہے۔

مثلاً مبالغہ اور اغراق جو مشرقی انشا کا خاصہ ہے ان کتابوں میں اتنا کم ہے جتنا ایران کے اور شعرا کے کلام میں بیح۔ اور جہاں ہے وہاں نہایت لطیف اور بامزہ ہے اور اعتدال کی حد سے متجاوز نہیں۔ مثلاً شیخ بوستان میں کہتا ہے۔

میانِ دو کس دشمنی بود و جنگ — سر از کبر بر یکدگر چون پلنگ
ز دیدارِ ہم تا بحدّے رماں — کہ بر ہر دو تنگ آمدے آسماں

دوسری بیت کا یہ مطلب ہے کہ وہ ایکدوسرے کی صورت سے ایسے بیزار تھے کہ جب کبھی راہ میں دوچار ہو جاتے تھے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر رستے سے اُلٹے ہٹ جاتے تھے اور اُسوقت کمال نفرت سے اُنکا جی چاہتا تھا کہ آسمان جو سامنے حائل نظر آتا ہے اُسکو توڑ کر نکل جائیں۔ یہ مبالغہ

جیسا کہ بادی النظر میں بڑا معلوم ہوتا ہے فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نفرت ایک نفسانی کیفیت ہے جسکا کوئی اندازہ اور پیمانہ مقرر نہیں ہے پس جسطرح ادنیٰ درجہ کی نفرت یہ ہے کہ دو دشمن ایک مجلس میں اکٹھا ہونا پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح انتہا درجہ کی نفرت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عالم میں رہنا پسند نہ کریں۔

اسی طرح شیخ کی نظم و نثر میں جہاں کہیں مبالغہ پایا جاتا ہے لطافت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً گلستاں میں ایک دولتمند بخیل کا ذکر اسطرح سے کرتے ہیں۔ "مالدارے را شنیدم کہ ببخل چناں معروف بود کہ حاتم طائی بسخاوت۔ ظاہر حالش بنعمت دنیا آراستہ و خست نفس در نہادش ہمچناں متمکن۔ تا بجائیکہ نانے را بجانے از دست ندادے وگربۂ ابوہریرہ را بلقمہ ننواختے و سگ اصحاب کہف را استخوانے نینداختے۔ فی الجملہ کسے خانہ او را ندیدے در کشادہ وسفرہ او را سر کشادہ۔ بیت

درویش بجز بوئے طعامش نشنیدے　　مرغ از پس نان خوردن او ریزہ نچیدے"

ایک اور جگہ سمندر کی موج اور طوفان کا بیان اس طرح کیا ہے "سہمگین آبے کہ مرغابی در و ایمن نبودے" اگر غور سے دیکھئے تو سارے زیادہ مبالغہ ہے مگر بادی النظر میں کوئی ناممکن بات نہیں معلوم ہوتی ؎

سوپر نیچرل یعنی فوق العادۃ باتیں اور عجیب و غریب قصّے بھی جن سے قدیم اور متوسط زمانے کا مغربی اور مشرقی لٹریچر بھرا ہوا ہے ان کتابوں میں بہت کم ہیں۔ تمام گلستاں اور بوستان میں صرف دو تین حکایتیں

ایسی ہیں جو اس زمانہ میں مستبعد معلوم ہوتی ہیں اور تاویل کے بعد اُن میں بھی کچھ استبعاد باقی نہیں رہتا۔

علم اخلاق کے بعض اصول جن میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور اب بھی چلا جاتا ہے اگر کسی کتاب میں زمانۂ حال کے فلسفۂ مسلّم کے برخلاف ہوں تو اُسپر کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایسی کوئی کتاب نہیں ہوسکتی جسکی سب باتوں پر تمام عالم کا اتفاق ہو۔ مثلاً شیخ کے اِس فقرہ پر کہ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" اکثر مشنیری لوگ یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ کیسا ہی مصلحت آمیز ہو سچ کے برابر یا سچ سے بہتر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اِس بحث کے متعلق ہمارے ایک دوست نے نہایت دلچسپ قصّہ نقل کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک علمی سوسائٹی میں چند یوروپین عالم اور مشنیری موجود تھے۔ راستی اور دروغ پر ایک مضمون پڑھا گیا۔ جس میں گلستان کے فقرہ مذکور کی تائید کی گئی تھی۔ ایک پادری صاحب نے کہا کہ مضمون عمدہ ہے مگر جسقدر اِس فقرہ کی تائید میں لکھا گیا ہے اُس میں سے نکال دینا چاہئے اِسپر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی مگر کچھ فیصلہ نہوا۔ آخر ہمارے دوست جو اِس قصّہ کے راوی ہیں اُنہوں نے کھڑے ہوکر کہا کہ اِس بحث کا محاکمہ یوں ہوسکتا ہے کہ اپنی ذاتی اغراض کے لئے تو بیشک جھوٹ بولنا کسی حالت میں جائز نہیں لیکن اگر جھوٹ سے کسی مظلوم کی جان بچتی ہو تو ایسی حالت میں جھوٹ بولنا بیشک سچ بولنے سے بہتر ہے۔ اِسکے بعد اُنہوں نے یہ مثال دی کہ ۱۸۵۷ء میں جو اکثر لوگوں نے

رحم اور انسانی ہمدردی کی راہ سے یورپین عورتوں اور بچوں کو ظالموں اور بے رحموں کو شر سے بچانے کے لئے اپنے گھروں میں چھپا لیا تھا اور باغی لوگ اُنکو ڈھونڈھتے پھرتے تھے اور ایک ایک سے اُن کا حال پوچھتے تھے ایسی حالت میں جھوٹ بولکر اُن بیگناہوں کو خطرہ سے بچانا بے شک سچ بولنے سے بہتر تھا - اِس تقریر کو تمام مجلس نے پسند کیا اور وہ فقرہ سب کے اتفاق سے مضمون میں بحال رکھا گیا - مذکورہ بالا توجیہ کی تائید خود شیخ کے کلام سے بھی ہوتی ہے - کیونکہ اُسنے گلستان کے آٹھویں باب میں اپنے ذاتی اغراض کے لئے جھوٹ بولنے کو بہت بُرا بتایا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے -

گر راست سخن باشی و در بند بمانی ... بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

بعض صاحبوں کی یہ راے ہے کہ صورتِ مفروضہ میں بھی مقتضاے جوانمردی یہی ہے کہ جھوٹ نہ بولا جائے بلکہ ظالموں کا مقابلہ کرکے اپنے تئیں اُن مظلوموں پر نثار کیا جائے - جب اپنے میں سے کوئی باقی نہ رہے تب اُن مظلوموں کی باری آئے تو آئے -" لیکن ہمارے نزدیک جبھی تک جوانمردی ہے کہ ظالموں کے مقابلہ کرنے یا اپنی جان پر کھیلنے سے اُن بیگناہوں کی جان بچ جانیکا یقین کامل ہو ورنہ یہ حرکت تہوّر اور نادانی اور سفاہت میں شمار ہوگی -

اِسی طرح شیخ کے اِس شعر کے مضمون پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے -

"شمشیرِ نیک ز آہنِ بد چوں کند کسے ... ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس"

کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ تعلیم و تربیت اور قانون و مذہب اور تمام سیاستیں عبث اور فضول اور بیکار ہیں - مگر یہ مسئلہ کہ تعلیم سے انسان کی جبلت بدل جاتی ہے یا نہیں - علم اخلاق کے اُن مسائل میں سے ہے جن کا آجتک کسی قطعی دلیل سے فیصلہ نہیں ہوا - انگلستان کے ایک روشن ضمیر مؤرخ کی راے ہے کہ حال کی سویلزیشن نے انسان کے اخلاق پر اسکے سوا کچھ اثر نہیں کیا کہ گناہوں کی صورتیں اور نام بدل گئے ہیں مگر گناہ بدستور موجود ہیں - پہلے زمانہ میں بیشک گناہ بہت سخت اور شدید اور صریح ہوتے تھے لیکن بہت کم ہوتے تھے اور اب اگرچہ ویسے شدید اور سخت گناہ نہیں ہوتے لیکن نہایت کثرت سے ہوتے ہیں اور چھپے ہوے ہوتے ہیں - اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ٹلجاے تو بھی انسان اپنی جبلت سے نہیں ٹلتا ۔

ایک جگہ شیخ نے کہا ہے کہ " یہودی کیسا ہی دولتمند ہو جاے شریف نہیں ہو سکتا " فی الواقع اس سے کمال تعصب پایا جاتا ہے مگر اسپر کوئی مہذب سے مہذب بھی اعتراض نہیں کرسکتا - ہر قوم اپنی حکومت کے زمانہ میں محکوم قوم کو ایسا ہی سمجھتی رہی ہے آریا نے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو اس سے بھی زیادہ حقیر سمجھا تھا - مسلمانوں نے بھی اپنے دورہ میں اپنے برابر کسیکو نہیں سمجھا اور انگریز بھی باانہمہ شائستگی و تہذیب نوبلٹی یا شرافت کو اپنی ہی قوم کے ساتھ مخصوص

جانتے ہیں۔

ایک اور جگہ گلستاں میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک مریض بادشاہ کے لئے چند حکماے یونان نے آدمی کا پتا جو خاص صفات سے موصوف ہو تجویز کیا تھا مگر تجربہ کی نوبت نہیں آئی - یہ بات حال کی تحقیقات کے برخلاف بتائی جاتی ہے - شاید ایسا ہی ہو - مگر شیخ اس اعتراض سے بری ہے - اسکا الزام جو کچھ ہے مجوزین پر ہے نہ اُن کی تجویز کے راوی پر شیخ پر البتہ اُس صورت میں اعتراض ہوسکتا تھا کہ وہ اُن کی تجویز کو پسند کرتا - یا یہ لکھتا کہ اُس سے بادشاہ کو شفا ہو گئی - یا جو فرض مُعلّمینِ اخلاق کا ہے (یعنی ہر قصہ اور افسانہ سے ایک مفید نتیجہ استخراج کرنا) اُس سے عہدہ برآ نہوتا -

بعض مُلّایانہ اعتراض بھی شیخ کے کلام پر سُنے گئے ہیں - مثلاً اُنے گلستان میں کہا ہے - "زرہ راست برو اگرچہ دوراست + زن بیوہ مکن اگرچہ حوراست" اِسپر بعض حضرات یہ نقض وارد کرتے ہیں کہ جس امر کی اجازت شریعت سے پائی جاتی ہے اُس سے منع کرنے کے کیا معنی - اور بعضے کٹ مُلّا بیوہ کی جگہ بیوہ[1] بتاتے ہیں جسکے معنے اُنہیں کو معلوم ہیں - یہ ویسا ہی اعتراض ہے جیسے کسی نے کہا تھا "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" ظاہر ہے کہ شیخ کی کتاب گلستاں کوئی فقہ کا فتاوی نہیں ہے کہ

[1] بیوہ کے معنی لغت میں متجدد اور متغیر ہونے کے لکھے ہیں جو اس شعر میں کسی طرح چسپاں نہیں ہوسکتے ۱۲

جسکی ہر امرونہی کو امرونہی مصطلح فقہا پر محمول کیا جاے۔ وہ اکثر اپنے تجربہ اور راے کے موافق جس بات کو بنی نوع کے حق میں مفید سمجھتا ہے اُسکی ترغیب دیتا ہے اور جسکو مضر سمجھتا ہے اُس سے منع کرتا ہے۔ گو فقہانے اُسکو مباح لکھا ہو۔ کیونکہ مباحات میں فعل اور ترک دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے رہی یہ بات کہ شیخ کی راے فی نفسہ کیسی ہے سو حدیث نبوی سے بھی الکار کی ترجیح ثیابات پر ثابت ہوتی ہے ٭

سب سے زیادہ معقول اعتراض بوستان کی اُس حکایت پر وارد ہوتے ہیں جسمیں شیخ نے سومنات کا قصہ لکھا ہے مگر ہمنے اُس کی بابت پہلے باب میں کچھ عذر لکھے ہیں جن سے اعتراض کسی قدر ہلکے ہوسکتے ہیں ٭

امرد پرستی کا ذکر جو ان کتابوں میں اکثر آتا ہے یہ بھی سخت اعتراض کے قابل بات معلوم ہوتی ہے - مگر اس باب میں جو کچھ ہم نے خاتمہ کتاب میں لکھا ہے وہ شاید ان اعتراضوں کے فیصلہ کے لیے کافی ہو۔

ایسے ایسے اعتراضوں سے بجاے اِسکے کہ ان کتابوں کی قدر و قیمت میں کچھ فرق آے اور زیادہ اُن کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ کپڑا جسقدر اُجلا ہوتا ہے اُسیقدر جلد ذرا سے دھبے سے میلا ہوتا ہے اِن کتابوں کا بھی یہی حال ہے - یہ کتابیں ساڑھے چھ سو برس سے برابر تعلیم میں داخل رہی ہیں اور آجکل بھی کہ نہایت نکتہ چینی کا زمانہ

ہے اُسی طرح مشرقی سلسلۂ تعلیم کا جزو اعظم ہیں اُن کے ایک ایک فقرہ اور ایک ایک مصرع کو نہایت غور سے دیکھا گیا ہے ۔ مشنیریوں نے صرف اِس وجہ سے کہ ان میں مسلمانوں کی مذہبی باتیں بہت ملی ہوئی ہیں اور ایسے مضامین کا سلسلہ تعلیم میں داخل رہنا شن کے مقاصد کے برخلاف ہے ۔ انپر نکتہ چینی کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے بڑے بڑے طُولانی رویو لکھکر چھپوائے ہیں ۔ نیز اِس لحاظ سے کہ اِن کتابوں کو زیادہ تر صغیر سن بچے پڑھتے ہیں اور بھی زیادہ چھان بین کی گئی ہے ۔ باوجود ان سب باتوں کے ایسے چند سرسری اعتراضوں کا وارد ہونا جیسے کہ اوپر ذکر کئے گئے اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ بلا شُبہہ اسقدر بے عیب ہیں جسقدر کہ زمانہ متوسط میں انسان کا کلام بے عیب ہوسکتا تھا ۔

دوسری عام اور بڑی خوبی جو ان کتابوں کی خصوصیات میں سے ہے وہ شیخ کا اندازِ بیان ہے جسکا ملکہ اُس کی طبیعت میں ودیعت کیا گیا تھا ۔ یہ بات نہ تو اعدِ علمِ بلاغت کی پابندی سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ کسی اُستاد کی تعلیم سے آتی ہے بلکہ جسطرح حسنِ صورت اور حُسنِ صوت قدرتی خُوبیاں ہیں اِسی طرح حُسنِ بیان بھی ایک جبلّی خاصہ ہے جسمیں اکتساب کو چنداں دخل نہیں اور یہی وُہ چیز ہے جسکی کمی اور زیادتی پر شاعری کا نقصان اور کمال مَوقوف ہے ۔ جو مطلب اُسکو بیان کرنا ہوتا ہے اُسکے لئے واپسی دلکش اور لطیف پیرایہ ڈھونڈ لاتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں نہیں

ہوتا۔ مثلاً عربی میں ایک قول مشہور ہے "الصَّمتُ زِینةُ العَالِمِ وَستر الجَاهِلِ (یعنی خاموشی عالم کی زینت ہے اور جاہل کی پردہ پوش اس مطلب کو وہ شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

ترا خامشی اے خداوند ہوش وقاراست و نااہل را پردہ پوش
اگر عالمی ہیبت خود مبر وگر جاہلی پردۂ خود مدر

یا مثلاً اسکو بیان کرتا ہے کہ جو لوگ نصیحت نہیں سنتے وہ آخر کو پچتاتے ہیں یا زک اٹھاتے ہیں۔ اس مطلب کو وہ یوں ادا کرتا ہے "ہر کہ نصیحت نشنود سر ملامت شنیدن دارد" یا مثلاً اس کو یہ بیان کرتا ہے کہ ہر شے کی قدر اس کے کمیاب ہونے سے ہوتی ہے۔ اسکو وہ اس طرح لکھتا ہے۔ "اگر شبہا ہمہ شب قدر بودے شب قدر بے قدر بودے" یا مثلاً اسکو یوں بیان کرتا ہے کہ اپنے سے زیادہ علم والے سے مباحثہ کرنا نادانی ہے۔ اسکو وہ اس طرح بیان کرتا ہے۔ "ہر کہ با دانا تر سے از خود مجادلہ نماید تا بداند کہ داناست بدانند کہ نادان است" یا مثلاً اس مطلب کو کہ سب پیٹ کی خاطر سختی اٹھاتے ہیں۔ وہ اس عنوان سے بیان کرتا ہے "اگر جور شکم نبودے ہیچ مرغ در دام نیفتادے بلکہ صیاد خود دام ننہادے" یا مثلاً یہ بات کہ حاکم رشوت سے دھیماں ہو جاتا ہے اسطرح بیان کرتا ہے "ہمہ کس را دنداں بہ ترشی کند گردد مگر قاضیاں را بشیرینی" یا مثلاً اس مطلب کو کہ ریا کے لئے لذتوں کو ترک کرنا برا ہے وہ اس اسلوب سے ادا کرتا ہے "ہر کہ ترک شہوت از بہر قبول خلق دادہ است

از شہوت حلال ور شہوتِ حرام افتادہ است'' یا مثلاً اُسکو یہ لکھنا ہے کہ کسی کی آہ وزاری سے قضائے الٰہی نہیں بدلتی اور قانونِ قدرت نہیں ٹوٹتا۔ اِسکو وہ اسطرح ادا کرتا ہے۔

قضا دگر نشود ور ہزار نالہ و آہ بہ شکر یا بہ شکایت برآید از دہنے
فرشتۂ کہ وکیل ست بر خزانۂ باد چہ غم خورد کہ بمیرد چراغ بیوہ زنے

یا اُسکو یہ کہنا ہے کہ اے ریاکار یہ دکھاوے کی عبادت تجھکو خدا تک نہ پہنچائیگی۔ اس مطلب کو وہ یوں ادا کرتا ہے

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستانست

کبھی وہ ایک نصیحت کے مضمون کو جو اُسے بیان کرنا ہے ایک واقعہ کی صورت میں بیان کرکے اُسکو زیادہ پُرتاثیر اور دلنشین کردیتا ہے مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ جس طرح ہم سے پہلے لوگ ہزارہا امیدیں اور ارمان دل میں لئے ہوئے مرگئے اسی طرح ایکروز ہم تم بھی مرجائیں گے اِس مطلب کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے۔

شنیدم کہ یکبار در دجلۂ سخن گفت با عابدے کلّۂ
کہ من فرِّ فرماندہی داشتم بسر بر کلاہے مہی داشتم
سپہرم مدد کرد و نصرت وفاق گرفتم بہ بازوی دولت عراق
طمع کردہ بودم کہ کرماں خورم کہ ناگہ بخوردند کرماں سرم
بکن پنبۂ غفلت از گوش ہوش کہ از مُردگاں پندت آید بگوش

اخیر کے شعر سے اُسنے یہ بات جتاوی ہے کہ حقیقت میں کوئی کھوپری نہیں

بولی تھی بلکہ صرف ایک بیان کرنے کا پیرایہ ہے - یا مثلاً اس کو یہ دکھانا منظور تھا کہ ہر شخص اپنے مذہب کو حق اور دوسرے کے مذہب کو باطل سمجھتا ہے - اس مطلب کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے -

یکے جہود و مسلماں خلاف مے جستند — چنانکہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم
بطنز گفت مسلماں گرایں قبالۂ من — درست نیست - خدایا جہود میرانم
جہود گفت بتوریت میخورم سوگند — وگر خلاف کنم ہمچو تو مسلمانم
گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد — بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

یہ مطلب اگر ایک جملہ میں بیان کیا جائے تو بھی اتنا مؤثر اور دلاویز نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس پیرایہ نے اسکو دلاویز اور مؤثر کر دیا ہے - یا مثلاً اسکو یہ بیان کرنا تھا کہ امن اور عافیت اسی میں ہے کہ انسان لوگوں کے قصے جھگڑوں سے علیحدہ رہے اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دے - اس مطلب کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے -

دو کس گرد دیدند و آشوب و جنگ — پراگندہ نعلین و پرندہ سنگ
یکے فتنہ دید از طرف بر شکست — یکے درمیاں آمد و سر شکست
کسے خوشتر از خویشتن دار نیست — کہ با خوب و زشت کسش کار نیست

یا مثلاً اسکو یہ لکھنا منظور تھا کہ جو شخص اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں دخل دیتا ہے وہ ایک بڑی جوابدہی اپنے ذمہ لیتا ہے - اس مطلب کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے -

آں شنیدی کہ صوفئی مے کوفت — زیر نعلینِ خویش میخے چند

استینش گرفت سر ہنگے | کہ بیا نعل بر ستورم بند"

اسمین پیرایۂ بیان کے علاوہ صُوفی کی تخصیص کرنے سے شوخی اور ظرافت بھی انتہا درجہ کی برتی ہے۔ یا مثلاً اُس کو یہ لکھنا تھا کہ بھیک مانگنا جو ایک مذموم خصلت ہے اِس کا الزام صرف فقیروں ہی پر نہیں بلکہ دولتمندوں پر بھی ہے ۔ اِس مطلب کو وُہ اِسطرح بیان کرتا ہے ۔

" خواہندۂ مغربی در صفِ بزاز ان حلب میگفت اے خداوندانِ نعمت اگر شمارا انصاف بودے و مارا قناعت رسم سوال از جہان برخاستے "۔ یا مثلاً یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تواضع اور انکسار سے عزت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے ۔ اِس کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے ۔

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید | خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم | گر اوہست حقا کہ من نیستم
چو خودرا بچشمِ حقارت بدید | صدف در کنارش بجاں پرورید
سپہرش بجائے رسانید کار | کہ شد نامور لولوے شاہوار
بلندی بداں یافت کو پست شد | در نیستی کوفت تا ہست شد

یا مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ جس طرح پارسا لوگ رندوں کی صحبت سے منقبض ہوتے ہیں اسی طرح رند لوگ پارساؤں کی صحبت سے گھبراتے ہیں اِسکو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے ۔

زاہدے در میان رنداں بود | زاں میاں گفت شاہدے بلخی

گر ملولی زما ترش منشیں　　　که تو هم در میانِ ما تلخی

کبھی وہ اپنے ہی کلام کو اوروں کا مقولہ قرار دیکر نہایت بامزہ کر دیتا ہے جیسے

دو بینم جگر کرد روزے کباب　　　که مے گفت گوینده با رباب

دریغا که بے ما بسے روزگار　　　بروید گل و بشگفد نوبهار

بسے تیر و دے ماه و اردی بہشت　　　بیاید که ما خاک باشیم و خشت

یا جیسے

چو دخلت نیست خرج آہسته ترکن　　　که مے گویند ملاحان سرودے

اگر باراں به کوہستاں نبارد　　　بسالے دجله گردد خشک رودے

یا جیسے

ہیچناں در فکرِ آں بیتم که گفت　　　پیلبانے برلبِ دریائے نیل

زیرِ پایت گر بدانی حالِ مور　　　ہمچو حالِ تست زیرِ پائے پیل

یا جیسے

چه خوش گفت با کودک آموزگار　　　که کارے نکردیم و شد روزگار

یا جیسے

آں شنیدی که شاہدے بنہفت　　　با دل ازدست دادۂ مے گفت

تا ترا قدرِ خویشتن باشد　　　پیش چشمت چه قدرِ من باشد

۴ - اِن دونوں کتابوں میں یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ باوجودے کہ صنائع لفظی و معنوی اِن میں کثرت سے موجود ہیں - اور تقریباً نصف گلستاں کے فقرے مسجّع اور مقفّی ہیں بااینہمہ وہ سادگی میں ضرب المثل

ہیں اور جہاں نثر عاری کا ذکر آتا ہے وہاں سب سے پہلے گلستان کی مثال دی جاتی ہے۔ فی الواقع یہ شیخ کی کمال انشا پردازی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ شاعر اور منشی جب الفاظ کی زیادہ رعایت کرتا ہے تو اُسکے کلام میں خواہی نخواہی بناوٹ اور تکلف پیدا ہو جاتا ہے اور سر رشتۂ حُسن معنی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ شیخ نے صنائع لفظی و معنوی کو ایسی خوبصورتی اور سلیقہ سے برتا ہے کہ کہیں ساختگی اور تصنع کا گمان نہیں ہوتا۔ مگر وہ ان عارضی نمائشوں کا ایسا پابند نہیں ہے کہ اُنکے لئے فصاحت و بلاغت سے دست بردار ہو جاے۔ جہاں الفاظ مساعدت کرتے ہیں وہاں ایک ہلکی سی چاشنی اِسکی بھی دیدیتا ہے۔ اُسکی نثر میں مسجّع اور مُرصّع فقرے سادے فقروں میں ایسے ملے ہوئے ہیں۔ جیسے پشمینے کی شال میں ریشم کی تار۔ جب تک خاص توجہ سے نہ دیکھا جاے تمام فقرے یکساں اور ہموار معلوم ہوتے ہیں البتہ بعض حکایتوں میں اُسنے صنائع لفظی و معنوی کی زیادہ رعایت کی ہے جیسے ساتویں باب کی اُنیسویں حکایت جس میں اپنا اور ایک شخص کا مُناظرہ تونگری اور درویشی کے باب میں لکھا ہے۔ مگر اُس میں بھی الفاظ کو حسنِ معنی میں خلل انداز ہونے نہیں دیا۔ جسقدر اُس حکایت کے الفاظ میں تناسب اور حسنِ انتظام پایا جاتا ہے اُس سے زیادہ خیالات میں سنجدگی اور اصلیّت اور واقعیت موجود ہے۔ حکایت مذکور کے چند متفرق فقرے بطور نمونہ کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"تونگراں دخلِ مسکینانند۔ و ذخیرۂ گوشہ نشیناں۔ و مقصدِ زائراں۔

وکہفِ مسافران - ومتحملِ بارِ گران از بہرِ راحت دگران - دست بطعام آنگہ برند کہ
متعلقان و زیر دستان بخورند - وفضلۂ مکارمِ ایشاں بہ ارامل وایتام وپیران
واقارب وجیران برسد ٭ ٭ [۱] از معدۂ خالی چہ قوت آید - واز دستِ
تہی چہ مروت زاید - واز پاے بستہ چہ سیر آید - واز دستِ گرسنہ چہ خیر ٭ ٭ ٭
فراغت با فاقہ نپیوندد - وجمعیت با تنگدستی صورت نبندد - یکے تحریمۂ عشا
بستہ - ودیگرے منتظرِ عشا نشستہ این بدان کے ماند ٭ ٭ ٭ اشارتِ
خواجۂ عالم بفقرِ طائفہ ایست کہ مردِ میدانِ رضا اند - وتسلیم تیرِ قضا - نہ اینان کہ
خرقۂ ابرار پوشند - ولقمۂ ادرار فروشند ٭ ٭ ٭ مشغولِ کفاف از دولتِ
عفاف محروم ست - وملکِ فراغت زیرِ نگینِ رزقِ معلوم ٭ ٭ ٭
٭ گفت چندان مبالغہ در وصفِ ایشاں بکردی - وسخنہائے پریشاں بگفتی کہ
وہم تصور کند تریاقند - یا کلیدِ خانۂ ارزاق - مشتے متکبر ومغرور - ومعجب
ونفور مشتغلِ مال ونعمت - ومفتتنِ جاہ وثروت - سخن نگویند الا بسفاہت
ونظر نکنند الا بکراہت - علما را بگدائی منسوب کنند - وفقرا را بہ بے سروپائی
معیوب گردانند - بعزتِ مالے کہ دارند - وغیرتِ جاہے کہ پندارند - برتر
از ہمہ نشینند - وخود را بہتر از ہمہ شناسند - نہ آں در سر دارند - کہ سر بکسے
فرود آرند - بیخبر از قولِ حکما کہ گفتہ اند "ہر کہ بطاعت از دیگران کم ست و
بنعمت بیش - بصورت توانگر ست وبمعنی درویش ٭ ٭ ٭ گفتم مذمتِ
ایشاں روا مدار کہ خداوندانِ کرم اند - گفت غلط کردی کہ بندگانِ درم اند

[۱] یہ نشان ٭ ٭ ٭ ابیات کے ہیں کہ یہاں کچھ فقرے چھوڑ دیے گئے ہیں ٭ ۱۲

چه فایده که ابرِ آذار اند - و بر کس نمی بارند - و چشمهٔ آفتاب اند و بر کس نمی تابند - و بر
مرکبِ استطاعت سوارند و نمی رانند - و قدمے بهرِ خدا نه نهند - و درمے بے منّ
و اذی ندهند - مالے بمشقت فراهم آرند - و به خسّت نگهدارند - و به حسرت بگذارند -
چنانکه بزرگان گفته اند "سیمِ بخیل وقتے از خاک بر آید که بخیل به خاک در آید -
٭ ٭ گفتمش بر بخلِ خداوندانِ نعمت وقوف نیافتهٔ الّا به علّتِ گدائی -
و گرنه هر که طمع یکسو نهد کریم و بخیلش یکے نماید - محک داند که زر چیست - و گدا
داند که ممسک کیست ٭ ٭ ٭ محالِ عقل ست که اگر ریگِ بیابان دُر شود -
چشمِ گدایان پُر شود ٭ ٭ ٭ هرگز دیدهٔ دستِ دغائے بر کتف بسته - یا
بعلّتِ بینوائی در زندان نشسته - یا پردهٔ معصومے دریده - یا کفّے از معصم
بریده - الّا بعلّتِ درویشی - شیر مردان را بحکمِ ضرورت در نقب‌ها گرفته اند
و کعب‌ها سفته ٭ ٭ ٭ اغلب تهیدستان دامنِ عصمت بمعصیت آلایند و گرسنگان
نانِ مردم ربایند **بیت**

چوں سگِ درنده گوشت یافت نه پُرسد | کیں شترِ صالح ست یا خرِ دجّال

٭ ٭ گفتا نه - که من بر حالِ ایشاں رحمت مے برم - گفتم نه - که بر مالِ ایشاں
حسرت می خوری ٭ ٭ ٭ هر بیدقے که براندے بدفعِ آں کوشیدمے
و هر شاهی که بخواندے بفرزیں بپوشیدمے - تا نقدِ کیسهٔ همت در باخت - و تیرِ
جعبهٔ حجت همه بینداخت ٭ ٭ ٭ هر جا که گلست خارست - و با خمر خمار -
و بر سرِ گنج مار - و آنجا که دُرِ شاهوارست - نهنگِ مردم خوار - لذّتِ عیشِ دنیا را
لدغهٔ اجل در پیش است - و نعیمِ بهشت را دیوارِ مکاره در پیش ٭ ٭ ٭

نظر نکنی در بستاں کہ بید مشکست و چوب خشک ۔ ہمچنیں در زمرہ توانگراں شاکرند و کفور ۔ و در حلقۂ درویشاں صابرند و ضجور ٭ ٭ ٭ مقربانِ حضرت حق جل وعلا توانگرانند درویش سیرت و درویشانند توانگر ہمت ۔ مھینِ توانگران آنست کہ غم درویشاں بخورد ۔ و بہینِ درویشاں آں کہ کم توانگراں گیرد ٭ ٭ ٭ نعم طائفہ ہستند بدیں صفت کہ بیان کردی ۔ قاصر ہمت ۔ و کافر نعمت ۔ کہ ببرند و بنہند و بخورند و ندہند ٭ ٭ ٭ قومے بریں نمط ہستند کہ شنیدی ۔ و طائفہ خوانِ نعمت نہادہ و صلاے کرم در دادہ و میان بخدمت بستہ ۔ و ابرو بہ تواضع کشادہ ۔ طالبِ نام اند و مغفرت ۔ و صاحب دنیا و آخرت ٭

۴ ۔ شیخ اکثر ان کتابوں میں ایسی حکایتیں لکھتا ہے جن میں باوجود موعظت بلیغ کے کسی قدر ظرافت و خوش طبعی کی بھی گنجایش ہو ۔ پھر اپنے حسنِ بیان سے تمام حکایت کو نہایت لطیف و ملیح کر دیتا ہے ۔ اور کبھی وہ ایک سیدھی سادی حکایت میں کوئی گرم فقرہ یا لطیف کنایہ ایراد کر کے اس میں لون مرچ لگا دیتا ہے تاکہ پند و موعظت کی تلخی ظرافت کی چاشنی سے دور ہو جاے ۔ چنانچہ گلستان کے خاتمہ میں اسنے لکھا ہے :۔

" غالب گفتارِ سعدی طرب انگیز ست و طیبت آمیز ۔ و کوتہ نظراں را بدیں علت زبانِ طعنہ دراز کہ " مغز دماغ بیہودہ بردن و دود چراغ بے فائدہ خوردن کارِ خردمنداں نیست " ولیکن برراے روشنِ صاحبدلاں کہ روی سخن دراِیشاں

ست پوشیدہ نماند کہ دُرِ موعظت ہائے صافی در سلکِ عبارت کشیدہ است، و داروی تلخ نصیحت بشہد ظرافت آمیختہ۔ تا طبع ملول انسان از دولتِ قبول محروم نماند"

جو ظرافت اُسنے بوستاں اور گلستان میں برتی ہے وُہ اکثر نہایت سنجیدہ اور معقول ہے۔ البتہ کہیں کہیں اُس کے قلم سے ایسے الفاظ بھی ٹپک پڑے ہیں جو قانونِ شرم و حیا سے کسیقدر متجاوز ہیں۔ لیکن ایک ظریف طبع اور شوخ مزاج آدمی کا ایسے الفاظ سے بچنا اُسی سوسائٹی میں ممکن ہے جسمیں مرد و عورت تقریباً تمام جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور جہاں مردوں کو عورتوں کی مجالست اور اُن کے تعلیم یافتہ ہونے کے سبب ہمیشہ تحریر و تقریر میں زبان قابو میں رکھنی پڑتی ہے۔ ورنہ طبیعت کی شوخی ایک ایسی چیز ہے جو بغیر سخت مزاحمت کے کسی طرح رُک نہیں سکتی۔

نکو بُود تاب مستوری ندارد چو در بندی سر از روزن برآرد

اِس قسم کی چند حکایتیں مثال کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہیں۔

مثال ۱۔ یہاں پیرے بودم در دیارِ بکر کہ مال فراواں داشت و فرزندے خوبرو۔ شبے حکایت کرد کہ "مرا در ہمہ عمر جُز ایں فرزند نبودہ است درختے دریں وادی زیارت گاہ است کہ مردمان بحاجت خواستن آنجا روند۔ شبہائے دراز در پائے آن درخت بحق نالیدہ ام تا مرا ایں فرزند بخشیدہ" شنیدم کہ پسر با رفیقاں ہمے گفت "چہ بودے اگر من آن درخت را بدانستمے کہ کجاست تا دعا کردمے کہ پدرم زود تر بمیرد" خواجہ شادی کناں کہ پسرم عاقل ست و پسر

طعنه زن که پدرم فرتوت لایعقل **قطعه** سالها بر تو بگذرد که گذر ٭ نکنی سوی تربت پدرت ٭ تو بجای پدر چه کردی خیر ـ تا همان چشم داری از پسرت ٭

مثال ۲- پیرمردی را حکایت کنند که دختری خواسته و حجره بگل آراسته و بخلوت با او نشسته و دیده و دل در او بسته ـ شبهای دراز نخفتی و بذلها و لطیفها گفتی باشد که موانست پذیرد و وحشت نگیرد ـ بالجمله شبی می گفت در بخت بلندت یار بود و چشم دولتت بیدار که بصحبت پیری افتادی پخته ـ پرورده ـ جهاندیده آرمیده ـ نیک و بد جهان آزموده ـ سرد و گرم روزگار چشیده ـ که حق صحبت بداند و شرط مودت بجا آرد ـ مشفق و مهربان ـ خوش طبع و شیرین زبان **مثنوی** تا توانم دلت بدست آرم ـ ور بیازاریم نیازارم ـ ور چو طوطی شکر بود خورشت ـ جان شیرین فدای پرورشت ـ نه گرفتار آمدی بدست جوانی معجب ـ خیره رای ـ سرتیز ـ سبک پای ـ که هر دم هوسی پزد ـ و هر شب جایی خسپد ـ و هر روز یاری گیرد **قطعه** جوانان خرم اند و خوب رخسار ـ ولیکن در وفا با کس نپایند ـ وفاداری مدار از بلبلان چشم ـ که هر دم بر گلی دیگر سرایند برخلاف پیران که بعقل و ادب زندگانی کنند ـ نه بمقتضای جهل و جوانی **بیت**

ز خود بهتری جوی و فرصت شمار ـ که با چون خودی گم کنی روزگار ـ

گفت چندان که برین نمط بگفتم گمان بردم که دلش در قید من آمد و صید من شد ـ ناگاه نفسی سرد از دل پر درد برآورد و گفت ـ که چندین سخن که گفتی در ترازوی عقل من وزن آن یک سخن ندارد که وقتی شنیده ام از قابلهٔ

خویش کہ گفت " زنِ جوان را اگر تیرے در پہلو نشیند بہ کہ پیرے " ۔ فی الجملہ امکانِ موافقت نبود بمفارقت انجامید ۔ چون مدتِ عدتش بسر آمد عقدِ نکاحش بستند با جوانے تند ۔ ترش روے ۔ تہیدست ۔ بدخوے ۔ جور و جفا میدید و رنج و عنا مے کشید ۔ و شکر نعمتِ حق ہمچناں میگفت کہ الحمد اللہ از اں عذاب الیم برہیدم و بدین نعمتِ مقیم رسیدم قطعہ

با تو مرا سوختن اندر عذاب ۔۔۔ بہ کہ شدن با دگرے در بہشت
بوے پیاز از دہنِ خوبروے ۔۔۔ خوب تر آید کہ گل از دستِ زشت

مثال ۳ ۔ مرا حاجیے شانۂ عاج داد ۔۔۔ کہ رحمت بر اخلاقِ حجاج باد
شنیدم کہ بارے سگم خوانده بود ۔۔۔ کہ از من بنوعے دلش مانده بود
بینداختم شانہ کایں استخواں ۔۔۔ نمے بایدم دیگرم سگ مخواں
مپندار چوں سرکۂ خود خورم ۔۔۔ کہ جورِ خداوندِ حلوا برم
قناعت کن اے نفس بر اندکے ۔۔۔ کہ سلطان و درویش بینی یکے
چرا پیشِ خسرو بحاجت روی ۔۔۔ چو یکسو نہادی طمع خسروی

یہاں پہلی بیت کے دوسرے مصرع میں رحمت کا لفظ کنایۃً بجاے لفرین اور اُس کے مرادف الفاظ کے لایا گیا ہے ۔ کیونکہ شعرا کے نزدیک حاجیوں کی سنگدلی ۔ قساوت اور تکبر وغیرہ صفات ذمیمہ مسلّم ہیں ۔ چنانچہ گلستان میں بھی شیخ نے ایک جگہ لکھا ہے " از من بگوے حاجی مردم گزاے را ۔ کو پوستینِ خلق بہ آزار میدرد ٭ حاجی تو نیستی شتر است از براے آنکہ ۔ بیچاره خار مے خورد و بار مے برد " ایک اور شاعر کہتا ہے :

چوں عاملے کہ دل زور یخانہ جمع کرد　　حاجی ستم بخلقِ خدا بیشتر کند

پس ظاہر ہے کہ جو شوخی اِس کنایہ میں ہے۔ وُہ صراحت میں ہرگز ممکن نہ تھی۔ اکثر ناواقف لوگ اِس جگہ رحمت کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں۔ مگر حِکایت کا مضمون جس سے رنجش اور شکایت پائی جاتی ہے حقیقی معنی سے ابا کرتا ہے۔

مثال ۴۔ بازرگانے را دیدم کہ صد و پنجاہ شتر بار داشت۔ و چہل بندۂ خدمتگار شبے در جزیرۂ کیش مرا بحجرہ خویش بُرد۔ و ہمہ شب نیارامید از سخنہائے پریشاں گفتن کہ "فلاں انبارم بترکستان ست۔ و فلاں بضاعت بہندوستان۔ و این قبالۂ فلاں زمین است۔ و فلاں مال را فلاں کس ضمین" گاہ گفتے کہ خاطر اسکندریہ دارم کہ ہوایش خوش است۔ و باز گفتے نہ کہ دریائے مغرب مشوش است سعدیا سفرے دیگر درپیش است۔ اگر آں کردہ شود بقیت عمر بگوشہ بنشینم گفتم آں کدام سفر است۔ گفت "گوگرد پارسی بچین خواہم بُردن کہ شنیدم کہ قیمت عظیم دارد۔ و از آنجا کاسۂ چینی بروم برم۔ و دیبائے رومی بہند۔ و پولادِ ہندی بحلب۔ و آبگینہ حلبی بیمن۔ و بُرد یمانی بپارس۔ از اں پس ترکِ سفر کنم و بدکانے نشینم" چنداں ازیں مالیخولیا فرو گفت کہ بیش طاقتِ گفتنش نماند۔ گفت سعدی تو ہم سخنے بگو از آنہا کہ دیدی و شنیدی گفتم۔ نظم

آں شنیدستی کہ وقتے تاجرے　　در بیابانے بیفتاد از ستور
گفت چشمِ تنگ دُنیا دار را　　یا قناعت پُر کند یا خاکِ گور

مثال ۵ - ملک صالح از پادشاہان شام　　برون آمدے صبحدم با غلام

بگشتے در اطراف بازار و کوے　　برسم عرب نیمه بربسته روے

کہ صاحب نظر بود و درویش دوست　　ہر آں کیں دو دارد ملک صالح اوست

دو درویش در مسجدے خفته یافت　　پریشاں دل و خاطر آشفته یافت

شب سردشاں دیده نابرده خواب　　چو حربا تامل کناں آفتاب

یکے زاں دو مے گفت با دیگرے　　کہ در روز محشر بود داورے

گر ایں پادشاہان گردن فراز　　کہ در لہو و عیش اند و با کام و ناز

در آیند با عاجزاں در بہشت　　من از گور سر بر نگیرم ز خشت

بہشت بریں ملک و ماواے ماست　　کہ بند غم امروز بر پاے ماست

ہمہ عمر از اینان چہ دیدی خوشی　　کہ در آخرت نیز زحمت کشی

اگر صالح آنجا بدیوار باغ　　درآید بکفشش بدرم دماغ

چو مرد ایں سخن گفت و صالح شنید　　دگر بودن آنجا مصالح ندید

دمے رفت تا چشمۂ آفتاب　　ز چشم خلائق فرو شست خواب

روان ہر دو کس را فرستاد و خواند　　بہ ہیبت نشست و بحرمت نشاند

برایشاں ببارید باران جود　　فرو شست شاں گرد ذل از وجود

پس از رنج سرما و باران و سیل　　نشستند با نامداران خیل

گدایان بے جامہ شب کرده روز　　معطر کناں جامہ بر عود سوز

یکے گفت از اینان ملک را نہان　　کہ اے حلقہ در گوش حکمت جہان

پسندیدگاں در بزرگی رسند　　ز ما بندگانت چہ آمد پسند

شہنشہ ز شادی چو گل بر شگفت — بخندید در روے درویش و گفت

من آنکس نیم کز غرورِ حشم — ز بے چارگاں روے درہم کشم

تو ہم با من از سر بنہ خوے زشت — کہ نا سازگاری کنی در بہشت

من امروز کردم درِ صلح باز — تو فردا مکن در برویم فراز

چنیں راہ گر مُقبلی پیش گیر — شرف بایدت دست درویش گیر

بر از شاخِ طوبیٰ کسے بر نداشت — کہ امروز تخمِ ارادت نہ کاشت

ارادت نداری سعادت مجوے — بچوگانِ خدمت تواں بُرد گوے

ترا کے بود چوں چراغ التہاب — کہ از خُود پُری ہمچو قندیل زآب

وجودے دہد روشنائی بجمع — کہ سوزیش در سینہ باشد چو شمع

۵۔ وُہ اکثر نہایت پاکیزہ اور لطیف نکتے جنسے عموماً اذہان خالی ہوتے ہیں ایسی معمولی اور سرسری باتوں سے نِکال لیتا ہے جو عام ذہنوں میں مَوجود ہوتی ہیں۔

مثال ۱ "ہر نفسے کہ فرو میرود ممدِ حیات است وچون برمے آید مُفرّحِ ذات۔ پس در ہر نفسے دو نعمت مَوجود است و بہر نعمتے شکرے واجب" - یہ بات کہ داخلی اور خارجی دونوں سانس انسان کی زندگی اور تفریح کے باعث ہیں سب کو معلوم تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ ہر ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے مگر یہہ نکتہ مخفی تھا کہ ہر سانس میں خدا کا شکر کرنا واجب ہے۔

مثال ۲ "چو طفل اندرون دارد از حرص پاک — چہ مُشتے زرش پیش وچہ مُشتے خاک

یہ بات سبکو معلوم تھی کہ بچہ حرص اور طمع سے پاک ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ اسکو سونے اور مٹی میں کچھ تمیز نہیں ہوتی - مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ سونے اور مٹی کو برابر جاننا جو کہ اعلیٰ درجہ کے عُرفا اور خدارسیدہ لوگون کا منصب ہے بچہ کو گویا فقط حرص اور طمع سے پاک ہونے کے سبب حاصل ہے کیونکہ سونے اور مٹی میں کچھ فرق نکرنا اُسمیں جبھی تک باقی رہتا ہے جبتک حرص اور طمع پیدا نہیں ہوتی - پس ایک شاعرنہ کہ فلسفی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں -

مثال ۳ - "ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم وگر با چو او صد برائی بجنگ
ازاں مار بر پاے راعی زند کہ ترسد سرش را بکوبد بہ سنگ"

یہ بات سب جانتے ہیں کہ کبھی کبھی عاجز اور زیر دست بھی زبردستوں پر غالب آجاتے ہیں اور سانپ کا وار بھی کبھی کبھی چرواہے پر چل جاتا ہے - مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ جو اپنے سے ڈرے اُس سے ڈرنا چاہئے کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ جو اپنے سے ڈرے اُس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں -

مثال ۴ - "وہ کہ گر مُردہ باز گردیدے بمیان قبیلہ و پیوند
رد میراث سخت تر بودے وارثاں را ز مرگ خویشاوند"

یہ بات سبکو معلوم تھی کہ میراث بہت عزیز چیز ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ مرگِ خویشاوند سخت مصیبت ہے مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ اگر مُردہ پلٹ کر آتا تو وارثوں کو میراث کا واپس دینا اُسکے ماتم کے رنج سے زیادہ سخت

اور ناگوار ہوتا ہے

اسی طرح وہ نہایت سرسری اور معمولی سرگزشتوں سے ایسے نادر اور اچھوتے نتیجے نکال لیتا ہے جو وہم وگمان میں نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ کہ میرے باپ نے بچپن میں مجھکو ایک انگوٹھی پہنا دی تھی۔ ایک روز ایک شخص نے ایک کھجور دے کر مجھ سے وہ انگوٹھی لے لی۔ چونکہ بچّہ انگوٹھی کی قدر نہیں جانتا اسلئے ذرا سی مٹھاس کا لالچ دے کر اس سے لی جا سکتی ہے۔ پس جو لوگ عمر کو عیش شیریں میں برباد کر دیتے ہیں شاید وہ عمر کی قدر نہیں جانتے۔ یا مثلاً میں ایکبار عید کے دن باپ کے ساتھ عیدگاہ میں گیا۔ اتفاقاً خلقت کے ہجوم میں باپ سے بچھڑ گیا میں اُسی حالت میں رو رہا تھا کہ باپ نے آکر دفعۃً میرا کان مروڑا اور فرمایا "مینے تجھکو بارہا کہا ہے کہ میرا دامن پکڑے رہا کر مگر تو نہیں مانتا" سچ ہے جسطرح انجان بچہ اپنے آپ رستہ نہیں چلسکتا اسی طرح سالک بغیر مشائخ اور کاملین کی دستگیری کے منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا یا مثلاً میرے جسم میں کپڑوں کے اندر ایک زخم تھا۔ شیخ علیہ الرحمۃ ہمیشہ پوچھتے تھے کہ کیسا ہے مگر یہ کبھی نہ کہتے تھے کہ کہاں ہے اس سے مینے جانا کہ ہر عضو کا نام لینا روا نہیں ہے۔ یا مثلاً ایک شخص نے اپنے بیٹے کے کان امیٹھکر کہا کہ "نالایق! میں نے تجھکو کلہاڑی لکڑیاں چیرنے کو دی تھی مسجد کی دیوار ڈھانے کو نہیں دی تھی" اسی طرح زبان ذکر اور شکر کے لئے بنی ہے لوگوں کی غیبت کرنے کے لئے

نہیں بنی۔ یا ایک شخص مٹی میں سَنا ہوا مسجد میں جانے لگا۔ دوسرے نے اُسکو جھڑک دیا کہ خبردار جو مسجد میں قدم رکھا" میرا دل یہ بات سُنکر بھر آیا کہ افسوس بہشت میں بھی جو ایک پاک جگہ ہے دامن آلودہ لوگ نہ جا سکیں گے ٭

۶۔ حُسنِ تاویل اور لُطفِ استدلال جیسا اچھا تُلا اُسکے کلام میں پایا جاتا ہے اَیسا اور شُعرا کے کلام میں نہیں دیکھا گیا ٭

مثال ۱۔
شنیدی کہ در روزگارِ قدیم — شدے سنگ در دستِ ابدال سیم
نہ پنداری ایں قول معقول نیست — چو قانع شدی سیم و سنگت یکے ست

یعنی یہ جو مشہور ہے کہ اگلے زمانہ میں اَبدال کے ہاتھ میں پتھر چاندی ہو جاتے تھے۔ اِسمیں کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ قانع ہوتے ہیں اُن کے نزدیک پتھر اور چاندی میں فرق نہیں ہوتا۔ ایک امر خارق عادت کو کس حُسنِ بیان کے ساتھ کیسے مختصر لفظوں میں عادت کے موافق ثابت کیا ہے ٭

مثال ۲۔
رہِ عقل جُز پیچ در پیچ نیست — بر عارفاں جُز خُدا ہیچ نیست
تواں گفتن ایں با حقایق شناس — ولے خردہ گیرند اہلِ قیاس
کہ پس آسمان و زمیں چیستند — بنی آدم و دام و دد کیستند
پسندیدہ پرسیدی اے ہوشمند — بگویم گر آید جوابت پسند
کہ ہامون و دریا و کوہ و فلک — پری آدمی زاد و دیو و ملک
ہمہ ہرچہ ہستند زاں کمتر اند — کہ با ہستیش نام ہستی برند

عظیم ست پیش تو دریا بہ موج ۔۔۔ بلند ست گردون گردان بہ اوج
ولے اہل صورت کجا پے برند ۔۔۔ کہ ارباب معنی بملکے درند
کہ گر آفتابست یک ذرہ نیست ۔۔۔ وگر ہفت دریاست یکقطرہ نیست
چو سلطان عزت علم برکشد ۔۔۔ جہاں سر بجیب عدم درکشد

یہاں اُسنے وحدت وجود کے اصلی معنی جو کہ اہل نظر کی سمجھ سے بالاتر تھے نہیں بتائے - بلکہ ایک اور معنی جنکو ہر شخص تسلیم کرسکتا ہے نظم میں ایسی لطافت اور خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کوئی اور نثر میں بھی مشکل سے بیان کرسکتا -

مثال ۳ نگہدار فرصت کہ عالم دمی ست ۔۔۔ دمے پیش دانا بہ از عالمے ست
سکندر کہ بر عالمے حکم داشت ۔۔۔ دراں دم کہ بگذشت وعالم گذاشت
میسر بنودش کزو عالمے ۔۔۔ ستانند و فرصت دہندش دمے

یہاں اُسنے دو متضاد دعویٰ کئے ہیں - ایک یہ کہ عالم ایک سانس کا نام ہے - دوسرا یہ کہ ایک سانس عاقل کے نزدیک عالم سے بہتر ہے پھر دونوں دعووں کو ایک دلیل سے ثابت کیا ہے - کیونکہ جب ایک سانس کے نہ آنے سے تمام عالم سکندر کے ہاتھ سے جاتا رہا تو معلوم ہوا کہ اُسی سانس کا نام عالم تھا اور جب کہ ایک سانس اُسکو تمام عالم کے عوض میں نہ مل سکا تو معلوم ہوا کہ ایک سانس تمام عالم سے بہتر تھا - یہ غایت درجہ کا حُسنِ استدلال ہے کہ دو متضاد دعوے ایسی شگفتہ بیانی اور اختصار اور صفائی کے ساتھ ایک ہی دلیل سے ثابت کئے جائیں اور

حسنِ شعری بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

۷۔ نیچر کے بیان میں شیخ کا کلام فی الواقع لاثانی ہے۔ خدا کی صنعت اور حکمت کے متعلق وُہ وہی باتیں بیان کرتا ہے جو سب جانتے ہیں لیکن یہ کسی کی طاقت نہیں کہ اُن کو ویسے پاکیزہ اور دلنشین بیان کے ساتھ ادا کر سکے۔ اُس کے نیچرل بیان پہ غالب مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

شعر

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مثال ا — اگر از حق نہ توفیقِ خیرے رسد — کے از بندہ خیرے بہ غیرے رسد

زباں را چہ بینی کہ اقرار داد — بہ بیں تا زباں را کہ گفتار داد

درِ معرفت دیدۂ آدمی ست — کہ بکشادہ بر آسمان و زمیست

کیت فہم بودے نشیب و فراز — گر ایں در نہ کردے پدیدے تو باز

سر آورد و دست از عدم در وجود — دریں جود بنہاد و در روئے سجود

دگر نگتے از دست جود آمدے — محالست کز سر سجود آمدے

بحکمت زباں داد و گوش آفرید — کہ باشند صندوق دل را کلید

اگر نہ زباں قصہ بر داشتے — کس از سترِ دل کے خبر داشتے

دگر نیستے سعی جاسوسِ گوش — خبر کے رسیدے بسلطانِ ہوش

مرا لفظِ شیریں خوانندہ داد — ترا سمع و ادراک دانندہ داد

مدام ایں دو چون حاجباں بر درند — ز سلطاں بہ سلطاں خبر مے برند

چہ اندیشی از خود کہ فعلم نکوست — ازاں در نگہ کن کہ تقدیر اوست

بر و بوستاں باں بہ ایوانِ شاہ　　بہ تحفہ ثمر ہم ز ایوان شاہ

اِس نظم میں اُسنے یہ بات بیان کی ہے کہ بدون خدا کی توفیق کے آدمی سے کچھ نہیں ہوسکتا اور زبان ۔ کان ۔ آنکھ ۔ سر اور ہاتھ جن ظاہری اغراض کے لیئے پیدا کئے گئے ہیں وہ اغراض بیان کی ہیں ۔ یہ تمام باتیں کم وبیش ہر شخص کو معلوم ہوتی ہیں مگر جس ترتیب سے شیخ نے اُنکو بیان کیا ہے اُس کے لحاظ سے تمام مضمون نرالا معلوم ہوتا ہے ۔ اخیر بیت میں انسان کی بندگی اور عبادت کو باغبان کی ڈالی سے جو کہ بادشاہ ہی کے باغ میں سے بادشاہ کے لیئے لگا کر بیجاتا ہے تمثیل دیکر مضمون کا حُسن انتہا کو پہنچا دیا ہے ؛

مثال ۲ دو صد مُہرہ در یکد گر ساختست　　که گِل مُہرۂ چوں تو پرداختست

رگت در تنت اے پسندیدہ خوے　　زمینے در و سیصد و شصت جوے

بصر در سر و فکر و راے و تمیز　　جوارح بدل دل بدانش عزیز

بہائم بروئے اندر افتادہ خوار　　تو ہمچوں الف بر قدمہا سوار

نگوں کردہ ایشاں سر از بہر خور　　تو آری بعزت خورش پیش سر

نزیبد ترا با چنیں سروری　　کہ سر جز بطاعت فرود آوری

مثال ۳ شب از بہر آسایش تست و روز　　مہ روشن و مہر گیتی فروز

صبا از براے تو فراش وار　　ہمے گسترانند بسط بہار

اگر باد و برفست و باران و میغ　　وگر رعد چوگاں زند برق تیغ

ہمہ کار داران فرماں برند　　کہ تخم تو در خاک مے پرورند

وگر تشنه مانی ز سختی مجوش   که سقای ابر آبت آرد بدوش
ز خاک آورد رنگ و بوی و طعام   تماشاگه دیدهٔ و مغز و کام
عسل دادت از نحل و منّ از هوا   رُطب دادت از نخل و نخل از نوا
همه نخلبنداں بخایند دست   ز حیرت که نخلی چنیں کس نبست
خور و ماه و پرویں برای تو اند   قنادیل سقفِ سرای تو اند
ز خارت گل آورد و از نافه مشک   زر از کان و برگ تر از چوب خشک
بدستِ خودت چشم و ابرو نگاشت   که محرم به اغیار نتواں گذاشت
توانا که اں نازنیں پرورد   بالوانِ نعمت چُنیں پرورد
بجاں گفت باید نفس بر نفس   که شکرش نه کارِ زبانست و بس

۸ - وہ اکثر قانونِ قدرت سے اشیا کے حُسن و قبح اور اصولِ اخلاق کے ثبوت پر استدلال کرتا ہے اور ایسا استدلال ہمیشہ دیگر اقسامِ استدلال کی نسبت زیادہ دلنشین اور عام فہم ہوتا ہے - کلامِ الٰہی میں بھی مبدا و معاد کے ثبوت پر زیادہ تر اسی قسم کا استدلال کیا گیا ہے -

مثال ۱- پلیدی کند گربہ بر جای پاک   چو زشتش نماید بپوشد بخاک
تو آزادی از ناپسندیده ها   نترسی که بر وی فتد دیده ها

بلی کو جو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ وہ جہاں کہیں بول و براز کرتی ہے اسکو فوراً مٹی سے ڈھانک دیتی ہے - اس سے وہ اس بات پر استدلال کرتا ہے کہ بُرے اعمال کو ہمیشہ لوگوں سے چھپانا چاہئے جو

ایسا نہیں کرتے وُہ ایک جانور کے برابر بھی سمجھ نہیں رکھتے۔

مثال ۲ - حِلمِ شتر چنانکہ معلوم ست اگر طفلے مہارش گیرد و صد فرسنگ ببرد گردن از متابعتِ او نہ پیچد - امّا اگر راہے ہولناک پیش آید کہ موجبِ ہلاک باشد و طفل آنجا بناوانی خواہد رفتن زمام از کفش درگسلاند و بیش متابعت نہ کند کہ ہنگامِ درشتی مُلاطفت مذموم است۔ **قطعہ**

کسیکہ لطف کند با تو خاکِ پایش باش | وگر ستیزہ کند در دو چشمش افگن خاک

سخن بلطفُ کرم با درشت خوے مگوے | کہ زنگ خوردہ نگردد مگر بسوہن پاک

یہاں اُسکو یہ سوجھانا منظور تھا کہ نرمی وہیں تک پسندیدہ ہے جہاں تک دوسری طرف سے درشتی اور سختی اور اپنی مُضرت کا احتمال نہ ہو ورنہ مذموم ہے - اِس مطلب پر وُہ یہ دلیل لایا ہے کہ اونٹ کو بھی قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہیں ہوتا ایک بچّہ اُس کی نکیل پکڑ کر جہاں تک چاہتا ہے لے جاتا ہے مگر جہاں کچھ خوف ہوتا ہے وہاں اُس کی اطاعت نہیں کرتا اور رسّی توڑ کر بھاگ جاتا ہے ؞

مثال ۳ - برہ بریکے پیشم آمد جواں | بہ تگ در پئش گوسفندے دواں

بدو گفتم ایں ریسمانست و بند | کہ مے آرد اندر پیَت گوسفند

سُبک طوق و زنجیر ازو باز کرد | چپ و راست پوئیدن آغاز کرد

برہ در پیش ہمچناں میدوید | کہ جو خوردہ بود از کف مرد وخید

چو باز آمد از عیش و بازی بجاے | مرا دید و گفت اے خداوند راے

نہ ایں ریعیاں می برد بانش | کہ احساں کمندیست در گردنش
بعضے کہ دیداست پیلِ دمان | نیارد ہمے حملہ بر پیل بان
بداں را نوازش کن اے نیکمرد | کہ سگ پاسدار دچوں نان تو خورد
برآں مرد کند است دندانِ یوز | کہ مالد زباں بر پنیرش دو روز

یہاں اُسکو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ جسقدر تم لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کروگے اُسیقدر لوگ تمہارے دوست اور خیرخواہ وجاں نثار ہونگے اِسپر وُہ یہ دلیل لایا ہے کہ بجری - ہاتھی - کُتّا - چیتا اور اِسی طرح تمام حیوانات کو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ جو شخص اُن کی پرورش کرتا ہے اور اُنکو کھلاتا پلاتا ہے وہ اُسی کا دم بھرنے لگتے ہیں - یہاں تک کہ وحشیوں میں وحشت اور درندوں میں سُبعیت باقی نہیں رہتی +

۹ - وُہ کبھی فقیہانہ اور واعظانہ نصیحتیں جو اکثر تلخ اور بے مزہ اور سامعین کے دلپرگراں ہوتی ہیں نہیں بلکہ اکثر ازادانہ اور محققانہ نصیحتیں کرتا ہے جو اگرچہ عام خیالات سے کسی قدر بلند ہوتی ہیں - لیکن حدِ شرع سے ہرگز متجاوز نہیں ہوتیں اور اِس لئے اُن کو زاہد اور رند دونوں پسند کرتے ہیں +

مثال ا - بسرہنگِ سلطان چنیں گفت زن

بروتا زخوانت نصیبے دہند | کہ خیز اے مبارک در رزق زن
بگفتا بود مطبخ امروز سرد | کہ فرزندگانت بسختی درند
زن از ناامیدی سرانداخت پیش | کہ سلطاں لشب نیت روزہ کرد
| ہمے گفت با خود دل از فاقہ ریش

که سلطان ازیں روزه گوئی چه خواست — که افطار او عید طفلان ماست

خورنده که خیرش برآید ز دست — به از صائم الدهر دنیا پرست

مسلم کسے را بود روزه داشت — که درمانده را دهد نان چاشت

وگرنه چه حاجت که زحمت بری — ز خود باز گیری و هم خود خوری

مثال ۲ شنیدم که مردے براه حجاز — بهر خطوه کردے دو رکعت نماز

چناں گرم رو در طریق خداے — که خار مغیلاں نه کندے ز پاے

به آخر ز وسواس خاطر پریش — پسند آمدش در نظر کار خویش

به تلبیس ابلیس در چاه رفت — که نتواں ازیں خوبتر راه رفت

گرش رحمت حق نه دریافتے — غرورش سر از جاده برتافتے

یکے هاتف از غیب آواز داد — که اے نیک بخت مبارک نهاد

مپندار گر طاعتے کردهٔ — که نزلے بدیں حضرت آوردهٔ

به احسانے آسوده کردن دلے — به از الف رکعت بهر منزلے

۱۰ - جب اُسکو کسی خاص فرقہ یا جماعت کے واقعی عیوب بیان کرنے ہوتے ہیں تو اُن کو ایسے عمدہ پیرایوں میں بیان کرتا ہے کہ کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتے - مثلاً اُسکو یہ منظور تھا کہ اُمرا اور دولتمندوں کو اُن کے عیوب سے مطلع کرے تو اُسنے اِس مطلب کو صاف صاف نہیں لکھا بلکہ ایک فرضی مناظرہ اور ایک اَور شخص کا جس میں اپنے تئیں امرا کا طرفدار اور اپنے حریف کو فقرا اور درویشوں کا حمایتی قرار دیا ہے لکھ کر تمام دل کے خیالات ظاہر کئے ہیں - طرف ثانی امیروں کی برائیاں اور درویشوں

کی خوبیاں بیان کرتا ہے اور شیخ اس کی تقریر کو رد کرکے اُمرا کی خوبیاں اور درویشوں کی برائیاں ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اُسنے تمام سلاطین عہد اور وزرا اور اُمرا کی خاطر خواہ خبر لی ہے۔ چنانچہ گلستان کے ساتویں باب میں یہ مناظرہ موجود ہے۔ یا مثلاً اُسکو مشائخ وزہاد کی قلعی کھولنی منظور تھی اس مضمون کو اُس نے کھلم کھلا ادا نہیں کیا بلکہ ایک قصہ جو بوستان کے چوتھے باب میں مذکور ہے نقل کیا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ ایک شوخ چشم سائل کسی بزرگ کے دروازے پر بھیک مانگنے گیا۔ صاحب خانہ کے پاس اُسوقت کچھ نہ تھا اسلئے کچھ نہ دیا۔ سائل نے ڈیوڑھی سے ذرا پرے ہٹ کر اُسکی اور اُسکے ساتھ تمام فقرا اور تمام مشائخ کی تفضیح اور توہین کرنی شروع کی اور خوب دل کے بخارات نکالے۔ جتنے واقعی عیب اکثر اِن لوگوں میں ہوتے ہیں سب ظاہر کردئے۔ جب شیخصاحب اُن کے پترے کھول چکے تو سائل کے بیان کو اپنے اس مقولے پر ختم کرتے ہیں۔

"نخواہم دریں باب ازیں بیش گفت ــــــ کہ شنعت بود سیرت خویش گفت"

یعنی میں اس باب میں اِس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتا ورنہ وہی مثل ہوگی "اپنا گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں مرئیے"، کیونکہ آپ بھی اُسی گروہ میں سے ہیں پھر اُس بزرگ کی تواضع اور تحمل اور حلم کا بیان کیا ہے کہ باوجود ایسی زبان درازیوں کے اُس نے کچھ بُرا نہ مانا اور اُس کے گمان سے زیادہ اپنے عیبوں کا اقرار کیا۔

۱۱- یہ بات عموماً دیکھی گئی ہے کہ جو واقعات اسلاف سے نقل کئے جاتے ہیں وُہ اتنے مؤثر نہیں ہوتے جتنا کہ اپنی سرگزشت اور رو داد کا بیان مؤثر ہوتا ہے بشرطیکہ بیان کرنے والا نہایت فصیح و بلیغ اور اپنے جذبات ادا کرنے پر قادر ہو کیونکہ جو روایت ایک واسطہ سے سُنی جاتی ہے اُس کا یقین بہ نسبت اوس روایت کے زیادہ ہوتا ہے جو متعدد واسطوں سے سُنی جائے - دوسرے ناقل اپنی سرگزشت کو بہ نسبت اخبار ماضیہ کے زیادہ پُرجوش الفاظ میں بیان کرسکتا ہے - گلستان اور بوستان میں چونکہ شیخ نے زیادہ تر اپنے ہی واقعات لکھے ہیں اور اُن سے نتائج استخراج کئے ہیں اسلئے اُن کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور ناظرین کو زیادہ پسند آتے ہیں خصوصاً اِس وجہ سے کہ شیخ جیسا جادو بیان اُن کو بیان کرتا ہے ایسی مثالوں سے دونوں کتابیں بھری ہوئی ہیں - یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

مثال ۱ - بجد نہادرم طفلے اندر گزشت
قضا نقش یوسف جمالے نکرد
وریں باغ سروے نیامد بلند
عجب نیست بر خاک اگر گل شکفت
بدل گفتم اے ننگِ مرداں بمیر
ز سودا و آشفتگی بر قدش
ز ہولم درآں جائے تاریک و تنگ

چہ گویم کزانم چہ بر سر گزشت
کہ ماہی گورش چو یونس نخورد
کہ بادِ اجل بیخش از بن نکند
کہ چندیں گل اندام در خاک خفت
کہ کودک رود پاک و آلودہ پیر
برانداختم سنگے از مرقدش
بشورید حال و بگردید رنگ

چو باز آمدم زاں تغیّر بہوش　　ز فرزند دلبندم آمد بگوش

گرت وحشت آمد ز تاریک جاے　　بہش باش و با روشنائی درآے

شبِ گور خواہی منوّر چو روز　　ازینجا چراغِ عمل بر فروز

تنِ کارکن مے بلرزد ز تپ　　مبادا کہ نخلش نیارد رُطب

گروہے فراواں طمع ظن برند　　کہ گندم نیفشاندہ خرمن برند

برآں خورد سعدی کہ بیخے نشاند　　کسے بُرد خرمن کہ تخمے فشاند

۱۲۔ جب اُسکو کسی نیک کام کی ترغیب دینی ہوتی ہے تو ایسے غریب اور اجنبی مباحث پیش نہیں کرتا جو لوگوں کے خیالات میں بہت کم گزرتے ہیں بلکہ ایسی معمولی باتیں یاد دلاتا ہے جو اُس کام کی نسبت ہمیشہ خاص و عام کے دل میں گزرتی ہیں اور اُن کی آنکھوں کے سامنے پیش آتی رہتی ہیں۔ اور جب کسی امر پر اُسکو متنبہ کرنا منظور ہوتا ہے تو ایسے صریح اور صاف نتیجے سوجھاتا ہے جو دُنیا میں ہمیشہ دیکھے جاتے ہیں۔ وُہ کوئی نئی بات نہیں سکھاتا بلکہ بھُولی ہوئی باتوں کو یاد دلاتا ہے یہی سبب ہے کہ اُس کے بیان کی طرف خود بخود لوگوں کے دل کھینچتے ہیں اور اُس کے کلام میں ایسا مزہ آتا ہے جیسے کوئی مدت کی کھائی ہوئی لذیذ چیز برسوں کے بعد سامنے آتی ہے اور نہایت رغبت اور شوق سے کھائی جاتی ہے۔

مثال | پدر مُردہ را سایہ بر سر فگن　　غبارش بیفشان و خارش بکن

چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش　　مدہ بوسہ بر روے فرزند خویش

یتیم ار بگرید که نازش خرد؟ — وگر خشم گیرد که بارش برد؟
الا تا نگرید که عرش عظیم — بلرزد همی چون بگرید یتیم
برحمت بکن آبش از دیده پاک — به شفقت بیفشانش از چهره خاک
اگر سایهٔ او برفت از سرش — تو در سایهٔ خویشتن پرورش
من آنگه سر تاجور داشتم — که سر در کنار پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستی مگس — پریشان شدے خاطر چند کس
کنون گر بزندان برندم اسیر — نباشد کس از دوستانم نصیر
مرا باشد از درد طفلان خبر — که در طفلی از سر برفتم پدر

مثال ۲ پسر چون ز ده برگذشتش سنین — ز نامحرمان گو فراتر نشین
بر پنبه آتش نشاید فروخت — که تا چشم برهم زنی خانه سوخت
چو خواهی که نامت بماند بجای — پسر را خردمندی آموز و رای
که گر عقل و رایش نباشد بسے — بمیری و از تو نماند کسے
بسا روزگارا که سختی برد — پسر چون پدر نازکش پرورد
خردمند و پرهیزگارش برآر — گرش دوست داری بنازش مدار
بخردی درش زجر و تعلیم کن — به نیک و بدش وعده و بیم کن
نوآموز را ذکر و تحسین و زه — ز توبیخ و تهدید استاد به
بیاموز پرورده را دست رنج — وگر دست داری چو قارون بگنج
مکن تکیه بر دستگاهے که هست — که باشد که نعمت نماند بدست
بپایان رسد کیسهٔ سیم و زر — نگردد تهی کیسهٔ پیشه ور

چہ دانی کہ گردیدنِ روزگار — بغربت بگرداندش در دیار

جو بر پیشۂ باشدش دسترس — کجا دستِ حاجت برد پیش کس

ندانی کہ سعدی مکاں ازچہ یافت — نہ ناموں نوشت و نہ دریا شگافت

بخُردی بخورد از بزرگاں قفا — خُدا داوش اندر بزرگی صفا

ہر آں طفل کو جورِ آموزگار — نہ بیند - جفا بیند از روزگار

پسر را نکو دار و راحت رساں — کہ چشمش نماند بدستِ کساں

ہر آنکس کہ فرزند را غم نہ خورد — دگر کس غمش خورد و آوارہ کرد

نگہدار ز آمیزگارِ بدش — کہ بدبخت و بے رہ کند چوں خودش

پسر کو میانِ قلندر نشست — پدر گو ز خیرش فرو شوے دست

دریغش مخور بر ہلاک و تلف — کہ پیش از پدر مُردہ بہ نا خلف

یہ خصوصیتیں جو گلستان اور بوستان میں ہمنے بتائی ہیں زیادہ غور کرنے سے اور بھی بہت سی باتیں ایسی نکل سکتی ہیں جو ان کتابوں کی مزید شہرت اور قبولیت کا باعث ہوئی ہیں مگر ہم انہیں پر اقتصار کرکے اب شیخ کی غزلیات پر نظر ڈالتے ہیں *

غزلیاتِ شیخ

غزلیات کی ترتیب کا طریقہ جو فی زماننا فارسی اور اُردو دیوانوں میں مروّج ہے اِس طریقہ پر غالباً سب سے اوّل شیخ ہی کا دیوان مُدوّن کیا گیا ہے کیونکہ شیخ سے پہلے کے بعض دیوان غزلیات مثل خاقانی وغیرہ اب تک مجموعہ قصائد کی طرح غیر مرتب اور پراگندہ طور پر لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

علی بن احمد بے ستون جامع کلیاتِ شیخ نے اوّل ہر غزل کے مطلع کا حرف لیکر شیخ کے تمام دیوان بہ ترتیب حروف تہجی جمع کئے تھے۔ آخر اِس ترتیب میں یہ قباحت نکلی کہ جس غزل کا مطلع معلوم نہو اُس کا دیوان میں ملنا دشوار تھا چنانچہ شیخ کی وفات کے بیالیس برس بعد اُسنے دوبارہ شیخ کے سب دیوان موجودہ طریقہ پر مرتب کئے اور پھر یہ ترتیب عموماً جاری ہوگئی۔

شیخ کی غزلیات کے جیساکہ اوپر بیان کیا گیا چار دیوان ہیں جن میں سب سے بڑا دیوان موسوم بہ طیّبات ہے۔ باقی تین دیوان اِس سے چھوٹے ہیں اگرچہ اِن میں بعض دیوان ابتدائے عمر کے اور بعض سنّ کہولت اور پیری کے زمانہ کے ہیں۔ مگر شیخ کا اندازِ بیان ابتدا ہی سے تغزّل میں ایسا صاف اور سلیس ہے کہ چاروں دیوانوں میں باعتبار صفائی

اور سلاست کے بہت کم تفاوت محسوس ہوتا ہے۔ شاعر کے کلام میں ہمیشہ صفائی اور گھلاوٹ ایک مدت کی مشق و مہارت کے بعد آتی ہے۔ عنفوانِ شباب کا کلام ویسا صاف اور شستہ نہیں ہوتا جیسا سنِ کہولت اور بڑھاپے کا ہوتا ہے مگر شیخ کا کلام اس سے مستثنیٰ ہے۔ البتہ طیبات اور بدائع جو جوانی اور کہولت کے زمانہ کے دیوان ہیں اُن میں اور دیوانوں کی نسبت خیالات کی نزاکت اور زورِ بیان زیادہ پایا جاتا ہے۔

شیخ کے دیوان کو اکثر تذکرہ نویسوں نے نمکدانِ شعراء لکھا ہے اگرچہ اس سے پہلے انوری و خاقانی و ظہیر وغیرہ کی غزلیات موجود تھیں اور قدما کے قصائد میں بھی مثل متاخرین کے اکثر تشبیبوں میں تغزل یعنی عاشقانہ اشعار ہوتے تھے۔ مگر اُسوقت غزل میں یہ لذت نہ تھی جو شیخ نے اپنی جادو بیانی سے پیدا کی پہلے شاعری کا مدار زیادہ تر قصیدہ اور مثنوی پر تھا۔ بعضے دوبیتی (یعنی رباعی) اور قطعہ کے سوا اور کچھ نہ کہتے تھے۔

شیخ نے غزل کو ایسا رنگین اور بامزہ کر دیا کہ لوگ قصیدہ اور مثنوی کو چھوڑ کر غزل پر ٹوٹ پڑے۔ غزل گویوں کے نام یا تو انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے یا لاکھوں سے متجاوز ہو گئے۔ اسی واسطے بعض شعرا نے شیخ کو غزل کا پیمبر کہا ہے۔ مگر کلام کی نمکینی اور شیرینی محض وجدانی کیفیتیں ہیں جو بدون ذوق سلیم کے ہرگز معلوم نہیں ہوسکتیں۔ پس

شیخ کی یہ غزل گائی گئی تھی ۔

نظرِ خدائے بیناں زسرِ ہوا نباشد　　سفرِ نیازمنداں زرہِ خطا نباشد

مجلس کے خاص و عام جا بجا بے ہوش اور خود فراموش پڑے تھے اور مجلس کے برخاست ہونے کے بعد سب کا اس بات پہ اتفاق تھا کہ مدتِ عمر میں ایسا سماع نہیں دیکھا میں کہتا ہوں کہ ایکبار میں نے بھی ایک بزرگ کو جو سماع سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے شیخ کے ایک مطلع پر جو قوّال نے بے مزامیر کے اُن کے سامنے گایا تھا دیکھا کہ اُن کا تمام بدن کانپنے لگا تھا اور آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور یہ کیفیت بہت دیر تک طاری رہی تھی ۔ وہ مطلع یہ تھا ۔

ایکہ آگاہ نۂ عالم درویشاں را　　تو چہ دانی کہ چہ سودا و سرِ ہست ایشاں را

۲ - شیخ کی غزل کو اُس بجلی عشق و محبّت نے جو اُس کی بات بات سے ٹپکتی ہے اور بھی زیادہ چمکا دیا تھا - عرب اور عجم کے تمام شعرا جو عاشق مزاج ہوئے ہیں اُن کی تشبیب اور تغزل میں ایک خاص حالت پائی جاتی ہے - جو اوروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ شیخ ایک جگہ خود فرماتے ہیں "و آنکہ ننشیند ست ہرگز بوئے عشق - گو بشیراز آ و خاکِ ما بوے " یہی سبب ہے کہ وہ حسن و عشق وصل و جدائی - یاس و امید - صبر و مجبوری - وعدہ و انتظار اور دیگر لوازم عشق کی جو کیفیتیں بیان کرتا ہے اُن میں بالکل تصنع نہیں پایا جاتا اور وہ سب ایسی باتیں ہوتی ہیں جو اُس عالم میں ہر شخص پر گزرتی ہیں - اِسی واسطے عشاق کے

دل پران کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ ایسے اشعار سے شیخ کے چاروں دیوان بھرے پڑے ہیں۔ مگر چند شعر بطور نمونہ کے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

مقدار یارِ ہمنفس چوں من نداند ہیچکس
ماہی کہ در خشک اوفتد قیمت بداند آب را

ایکہ گفتی ہیچ مشکل چون فراقِ یار نیست
گر امیدِ وصل باشد آنچناں دشوار نیست

ہر کو ہمہ عمرش سودائے گلے بودہ ست
داند کہ چرا بلبل دیوانہ ہمے باشد

دل و جانم بتو مشغول و نگہ بر چپ و راست
تا ندانند رقیباں کہ تو منظورِ منی

دیگراں چوں بروند از نظر از دل بروند
تو چناں در دلِ من رفتہ کہ جاں در بدنے

گفتہ بودم کہ رخت بر بندم
تا رہ بصرہ گیرم و بغداد

دست از دامنم نمے دارد
خاکِ شیراز و آبِ رکنا باد

ہزار جہد بکردم کہ سرِ عشق بپوشم
نبود بر سرِ آتش میسرم کہ نجوشم

بر زخم خوردہ حکایت کنم ز دستِ جراحت
کہ تندرست ملامت کند چو من بخروشم

نفحاتِ صبح دانی ز چہ روی دوست دارم
کہ بروئے دوست ماند کہ برافگند نقابے

بروای گدائے مسکین در دیگر طلب کن
کہ ہزار بار گفتی دینا مدت جوابے

شربتے تلخ تر از زہرِ فراقت باید
تا کند لذتِ وصلِ تو فراموش مرا

برعندلیبِ عاشق گر بشکنی قفس را
از ذوقِ اندرونش پروائے در نباشد

برقِ یمانی بجست بادِ بہاری بخاست
طاقتِ مجنوں نماند خیمۂ لیلی کجاست

۴ - اکثر وہ ایسے شعر کہتا ہے جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص موقع ہے اور وہاں جو حالت اُسنے آنکھوں سے دیکھی ہے یا جو کیفیت اُس کے دل پر گزری ہے اُسکو بیان کر رہا ہے۔ اس قسم کے اشعار اکثر ایسے موقعوں پر

جہاں اُسی طرح کی کیفیت پیش آتی ہے نہایت مزا دیتے ہیں۔ مثلاً

اے روبہک چرا ننشستی بجاے خویش — باشیر پنجہ کردی و دیدی سزاے خویش

ساربان آہستہ ران کارام جان در محمل ست — اشتران را بار برپشت ست و مارا بر دل ست

چہ روے ست اینکہ پیش کاروان ست — مگر شمعے بدست ساربان است

سلیمان ست گوئی در عماری — کہ بر باد صبا تختش روان ست

ز روے کار من برقع بر انداخت — بیکبار آنکہ در برقع نہان ست

شتر پیشی گرفت از من برفتار — کہ بر من پیش از آں بار گران ست

بدار اے ساربان محمل زمانے — کہ عہد وصل را آخر زمان ست

یار بار افتادہ را در کاروان بگذاشتند — بیوفا یاران کہ بربستند بار خویش را

ہرکرا در خاک غربت پای در گل ماند ماند — گو دگر در خواب خوش بیند دیار خویش را

پیوند روح میکند ایں باد مشک بیز — ہنگام نوبت سحر ست اے ندیم خیز

شاہد بخواں و شمع بسوزاں و گل بنہ — عنبر بساے و عود بسوزان و گل بریز

خادمہ سراے راگو در حجرہ بند کن — تا بہ سر حضور بارہ بنر و موسوسی

۴ - وُہ اکثر حالات و واردات کو جو اُس کے دل پر گذرتی ہیں تمثیلات میں بیان کرکے کلام کو نہایت بلیغ اور بلند کر دیتا ہے - اِس قسم کی تمثیلات حکیم سنائیؔ اور مولانا روم کے کلام میں بھی بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

بگنج شائگاں افتادہ بودم — ندانستم کہ در گنج اند ماران

اسیے برادر ما بگرداب اندریم — وانکہ شنعت میزند بر ساحل ست

رُطب شیریں و دست از نخل کوتاہ　　زلال اندر میان و تشنہ محروم

اُستاد کیمیا را بسیار زر بباید　　در خاک تیرہ کردن تا آنکہ زر بباشد

۵ - شیخ کی غزل میں باوجود کمال سادگی اور صفائی کے اکثر ایک نزاکت اور چوچلا پایا جاتا ہے جس سے قدما کی غزل مُعرّا معلوم ہوتی ہے وُہ ایک سیدھی سی بات کو ہیر پھیر کر ایسے لطیف اور خوشنما پیرایہ میں ادا کر دیتا ہے جسکو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ سنگریزوں کو ترتیب دیکر موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوشنما اور گراں بہا بنا دیتا ہے مثلاً

بود ہمیشہ پیش از ایں رسم تو بیگنہ کُشی　　از چہ مرانمے کشی من چہ گناہ کردہ ام

خلق را بیدار باید بود ز آب چشم من　　ویں عجب کاں وقت میگریم کہ کس بیدار نیست

من ندانستم از اوّل کہ تو بے مہر و وفائی　　عہد نابستن ازاں بہ کہ ببندی و نپائی

دوستاں عیب کنندم کہ چرا دل بتو دادم　　باید اوّل بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم　　چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی

من آں نیم کہ حلال از حرام نشناسم　　شراب با تو حلال و آب بیتو حرام

اس خاصیت میں شیخ کی غزل سے جو نسبت قدما کی غزل کو ہے اُسکا اندازہ شیخ کے چند اشعار کا مُقابلہ قدما کے اشعار کے ساتھ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اِس مقام پر دو دو شعر خاقانی اور انوری کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار شیخ کے دیوان سے نقل کئے جاتے ہیں ؁

انوری

روے چون ماہِ آسماں داری
قدِ چون سروِ بوستان داری

ایضاً

ہمہ با من جفا کند لیکن
بجفا ہیچ اذو نیازارم

خاقانی

بہ رُخت چہ چشم دارم کہ نظر دریغ داری
بر ہت چہ گوش دارم کہ خبر دریغ داری

ایضاً

شاد باش از حسن خود کز وصفِ تو سحرِ حلال
طبعِ خاقانی بہ نظم آورد و دیوان تازہ کرد

سعدی

سرو را مانی ولیکن سرو را رفتار نیست
ماہ را مانی ولیکن ماہ را گفتار نیست

ایضاً

قادری بر ہرچہ مے خواہی بجز آزار من
زانکہ گر شمشیر بر فرقم زنی آزار نیست

ایضاً

ہمہ چشیم تا بروں آئی
ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی

ایضاً

ہر دم از شاخِ زبانم میوۂ تر میرسد
بوستانہا رُستہ زاں تخم کہ در دل کاشتی

۶ - سب سے بڑی بات جو شیخ اور قدما کی غزل میں مابہ الامتیاز ہے اور جس کے سبب سے اُس کے دیوان کو نمکدانِ شعرا کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شیخ کی غزل کا مدار زیادہ تر مضامینِ مندرجۂ ذیل پر ہے تصوّف اور درویشی - عشقِ حقیقی کو عشقِ مجازی کے پیرایہ میں ادا کرنا اور شاہدِ مُطلق کے شیون اور صفات کو زلف و خال و خط و لب و دندان وغیرہ سے تعبیر کرنا - کاملین اور عُرفا اور مشائخ پر رند - بادہ خوار - میفروش - پیر خرابات وغیرہ کے الفاظ اطلاق کرنے اور

اُن کے حالات اور واردات کو شراب و نغمہ و دف و چنگ وغیرہ کے لباس میں ظاہر کرنا۔ سلوک اور فقیری کے مدارج و مقامات یعنے صبر و رضا و تسلیم و توکّل و قناعت وغیرہ کو نئے نئے عنوان اور اسلوب سے بیان کرنا۔ محتسب و زاہد و فقیہ اور ایسے لوگوں پر جو مذہب کی روسے محلِ ادب ہیں طعن و تعریض کرنی اور غیر متشرع اور آزاد لوگ جو از روے مذہب قابلِ توہین و مذمت ہیں اُن کی خوبی ظاہر کرنی۔ دُنیا کی بے ثباتی اور انقلابات کو طرح طرح سے جتانا۔ ناصحوں کی نصیحت سے نفرت اور رسوائی و بدنامی کی رغبت ظاہر کرنی۔ عقل و دانش کی جا بجا توہین اور عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا زینہ قرار دیکر اُس کی تعریف کرنی۔ ساقی و مطرب کو بار بار پکارنا اور اُن سے شراب و نغمہ کا اِسلئے طلبگار ہونا کہ دُنیا کے تعلّقات سے انقطاع مُیسّر آئے۔ بادِ صبا اور نسیمِ سحری اور بوے گل کو اکثر مخاطب کرنا اور اُن کو قاصد و پیغامبر ٹھہرا کر اپنی آرزوئیں اور مُرادیں اور حسرتیں اُن سے بیان کرنی وغیرہ وغیرہ یہ تمام عنوان ہر شخص کو مرغوب ہوتے ہیں۔ مثلاً عشقِ حقیقی کی واردات اور کیفیات عشقِ مجازی کے پیرایہ میں بیان کرنی اور زلف و خال و خط سے شاہدِ مطلق کی شیون اور صفات مُراد لینی زیادہ دلکش اور مؤثر ہیں بہ نسبت اِس کے کہ کھُلی سورتھ گائی جائے یعنی عشقِ حقیقی کو صاف صاف اِس طرح بیان کیا جائے جیسے اکثر ادنیٰ درجہ کے شاعر یا موزون طبع مولوی اور واعظ نظم میں توحید و مُناجات

وغیرہ لکھا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

خوشتر آں باشد کہ سترِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اسی طرح واعظ۔ زاہد۔ شیخ۔ قاضی۔ صوفی۔ محتسب اور اور ایسے اشخاص کو جنکی مذہب میں تعظیم کی جاتی ہے۔ ریاکاری اور مکر اور سالوس وغیرہ کے بہانے سے لتاڑنا اور رِند و اوباش اور حُسن پرست و بادہ خوار لوگوں کو اُن کی صاف باطنی۔ آزادی اور بے ریائی کی وجہ سے تعریف کرنی بہ نسبت اِس کے کہ رندوں کو ملامت کی جائے اور متشرّع لوگوں کی تعریف کی جائے زیادہ مزہ دار ہے اور زیادہ توجّہ سے سُنا جاتا ہے۔

اگرچہ اِن میں سے بعض عنوان جستہ جستہ قدما کی غزل میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن شیخ کے ہاں اوّل تو کثرت سے ہیں اور دوسرے اُس کے حُسنِ بیان نے اُن کو بہت بامزہ اور لطف انگیز کر دیا ہے۔ شیخ کے بعد اوّل حضرت امیر خسرو اور میر حسن دہلوی نے اِس خصوصیت میں شیخ کا تتبع کیا ہے کیونکہ شیخ نے اپنے چاروں دیوان جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے مُلتان میں خان شہید کے پاس جس کے ہاں امیر خسرو نوکر تھے اپنی زندگی ہی میں بھیجدئے تھے۔ اُسوقت حضرت امیر کی عُمر تیس برس سے بھی کچھ کم تھی اور شاعری میں ترقی کرنے کے لئے اُن کے آگے ایک وسیع میدان موجود تھا۔

وہ اگرچہ اور اصنافِ سخن میں جیسا کہ مثنوی

نُہ سپہر[۵۱] میں لکھتے ہیں اپنے تئیں شیخ سے بہتر سمجھتے تھے مگر شیخ کی غزل کو وُہ بھی مانتے تھے۔ چُنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"خُسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت | شیرہ از خمخانۂ مستے کہ در شیراز بود"

نیز جس طرح شیخ نے بچپن کے زمانہ کی غزلوں کا نام غزلیات قدیم اور جوانی اور کہولت کی غزلیات کا نام طیّبات اور بدائع اور آخر عمُر کی غزلیات کا نام خواتیم رکھا ہے اسی طرح حضرت امیر نے بھی عمُر کے چار زمانوں کے موافق چار دیوان مُرتّب کئے ہیں۔ تحفۃ الصغر وسط الحیوٰۃ غُرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ۔ اِن قرینوں کے سوا حضرت امیر کی غزلیات سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ وُہ سعدی کے تتبع سے خالی نہ تھے۔ امیر خسرو کے بعد خواجہ حافظ شیراز نے بھی غزل کی بُنیاد زیادہ تر اُنہیں خیالات پر رکھی ہے جن کو سب سے اوّل شیخ نے چمکایا تھا مگر اُن میں بعض مضامین کو خواجہ حافظ نے ایسی رونق دی ہے کہ وُہ اُنہیں کا حصّہ ہوگئے ہیں جیسے تصوّف۔ شراب۔ اہل ظاہر پر

[۵۱] نُہ سپہر کے اشعار یہ ہیں:-

کس نہ بنید سوے نظم دلگیر	کہ نہ گردد بدلے منزل گیر
چوں نماند بہ دلِ خلقے یاد	گرچہ شد زادہ بہاں داں کہ نزاد
تا بجائے کہ حدِ پارسیاں	اندریں عہد دو تن گشت عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام	ہر دو را در غزل آئیں تمام
لیک اگر سوے دگر یازی دست	شعرشاں ہست بداں گونہ کہ ہست

خُروہ گیری ۔ دُنیا کی بے ثباتی ۔ عقل وتدبیر کی توہین ۔ عشق وجوانی کی ترغیب وغیرہ وغیرہ ۔ اب ہم کچھ غزلیں اور اشعار شیخ کے دیوان میں سے ایسی نقل کرتے ہیں جن میں مضامین مذکورۂ بالا زیادہ تر باندھے گئے ہیں ؛

برخیز تا یکسو نہیم این دلق ازرق فام را
بر باد قلاشی دہیم این شرک تقوی نام را

مے با جواناں خوردنم خاطر تمنا مے کند
تا کودکاں در پے فتند این پیر درد آشام را

زین تنگنائے خلوتم خاطر بہ صحرا مے کشد
کز بوستاں باد سحر خوش مے دہد پیغام را

غافل مباش ار عاقلی دریاب گر صاحبدلی
باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را

جائیکہ سرو بوستاں با پائے چوبیں مے رود
ما نیز در رقص آوریم آں سرو سیم اندام را

وقت طرب خوش یافتیم آں دلبر طناز را
ساقی بیار آں جام مے مطرب بساز آں ساز را

امشب کہ بزم عارفاں از شمع رویت روشنست
آہستہ تا بیرون برد غماز ان شاہد باز را

روئے خوش و آواز خوش دارند ہر یک لذتے
بنگر کہ لذت چوں بود محبوب خوش آواز را

جاں ندارد ہر کہ جاناں نیش نیست
تنگ عیش ست آنکہ بستانیش نیست

گر دلے داری بہ دلدارے بسپار
ضائع آں کشور کہ سلطانیش نیست

ماجرائے عقل پرسیدم ز عشق
گفت معزول ست و فرمانیش نیست

درد عشق از تندرستی خوشترست
گرچہ غیر از صبر درمانیش نیست

چناں بموے تو آشفتہ ام ببوے مست — کہ نیستم خبر از ہرچہ در دو عالم ہست
دگر بروے کسم دیدہ برنمے باشد — خلیل من ہمہ بتہاے آزری بشکست
غلام ہمت آنم کہ پاے بند یکیست — بجانبے متعلق شد از ہزار برست
نگاہِ من بتو و دیگراں بتو مشغول — معاشراں زمے و عارفاں ز ساقی مست
برادران و عزیزاں نصیحتم مکنید — کہ اختیار من از دست رفت و تیر از شست

خوشتر از دورانِ عشق ایام نیست — بامدادِ عاشقاں را شام نیست
مطرباں رفتند و صوفی در سماع — عشق را آغاز ہست انجام نیست
از ہزاراں در یکے گیرد سماع — زانکہ ہرکس محرم پیغام نیست
ہرکسے را نام معشوقے کہ ہست — مے برد معشوق مارا نام نیست
باد صبح و خاک شیراز آتشے ست — ہرکہ او در وے گرفت آرام نیست
سعدیا چوں بت شکستی خود مباش — خود پرستی کمتر از اصنام نیست

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگست — زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ ست
برادرانِ طریقت نصیحتم مکنید — کہ توبہ در رہِ عشق آبگینہ و سنگ ست
دگر بخفیہ نمے بایدم شراب و سماع — کہ نیک نامی در دینِ عاشقاں ننگ ست
چہ تربیت شنوم یا چہ مصلحت بینم — مرا کہ چشم بساقی و گوش بر چنگ ست
بخشم رفتۂ مارا کہ میبرد پیغام — بیا کہ ما سپر انداختیم گر جنگ ست
بیادِ نگار کسے دامنِ نسیم صباح — گرفتہ ایم و چہ حاصل کہ باد در چنگست

بحش چنانکہ تو دانی کہ بے مشاہدہ ات فراخنائے جہاں بر وجودِ ما تنگست
ملامت از دلِ سعدی فرو نشوید عشق سیاہی از حبشی چوں رود کہ خود رنگست

دوش بے روئے تو آتش بسرم بر میشد آبم از دیدہ ہمیرفت و زمیں تر میشد
تا بہ افسوس بپایاں نرود عمرِ عزیز ہمہ شب ذکرِ تو میرفت و مکرر مے شد
چشمِ مجنوں چو بخفتی ہمہ لیلی دیدی مدعی بود گرش خواب میسر مے شد
یارب آں صبح کجا رفت کہ شبہائے دگر نفسے میزد و آفاق منور مے شد
سعدیا عقدِ ثریا مگر امشب بگسیخت ورنہ ہر شب بہ گریبانِ سحر بر میشد

متقلب درونِ جامۂ ناز چہ خبر دارد از شبانِ دراز
جہد کردم کہ دل بکس ندہم چوں تواں کرد با دو دیدۂ باز
محتسب در قفائے رنداں ست غافل از صوفیانِ شاہد باز

از تو با مصلحتِ خویشتن نے پردازم ہمچو پروانہ کہ مے سوزم و در پروازم
گر تو خواہی کہ بجوئی دلم امروز بجوے ورنہ بسیار بجوئی و نیابی بازم
من خراباتی و دیوانہ ام و عاشق و بس بیشتر زیں چہ حکایت بکند غمازم
ماجرائے دلِ دیوانہ بہ گفتم بہ طبیب کہ ہمہ شب در چشم ست بفکرت بازم
گفت زیں نوع شکایت کہ تو داری سعدی دردِ عشق ست ندانم کہ چہ درماں سازم

برخیز تا طریقِ تکلّف رها کنیم | دکانِ معرفت بدو جو پر بها کنیم
گر دیگر آں نگار قبا پوش بگذرد | ما نیز جامهاے تصوف قبا کنیم

ساقیا مَے ده که ما دُردی کشِ میخانه ایم | با خرابات آشنا و از خرد بیگانه ایم
خویشتن سوزیم و جاں بر سر نهاده شمع وار | ہر کجا در مجلسے شمعے ست ما پروانه ایم
اہلِ دانش را دریں گفتار با ما کار نیست | عاقلاں را کے زباں طعنه زد که ما دیوانه ایم
خلق میگویند جاه و فضل در فرزانگیست | گو مباش اینہا که ما رنداں نا فرزانه ایم
عیب جویاں چشم گوہر بیں ندارد ورنه ما | ہر یک اندر بحرِ معنی گوہرِ یکدانه ایم

دو چشمِ مستِ میگونش ببرد آرامِ ہشیاراں | دو خواب آلوده بربودند عقل از دستِ بیداراں
نصیحتگوی را از من بگو اے خواجه دم درکش | که سیل از سر گذشت آں را که میترسانی از باراں
چه بوئے ست آنکه عقل از من ببرد و صبر و ہشیاری | ندانم باغِ فردوس ست و یا بازارِ عطاراں
تو با ایں مردمِ کوته نظر در چاهِ کنعانی | بمصر آ تا پدید آیند یوسف را خریداراں

اے که ز دیده غائبی در دلِ ما نشستۂ | حسنِ تو جلوه مے کند و خیمه پرده بستۂ
خاطرِ عام بردۂ خونِ خواص خوردۂ | ما همه صید کردۂ خود ز کمند جستۂ

مے بر زند ز مشرقِ شمعِ فلک زبانه | اے ساقی صبوحی در ده مے شبانه
عقلم بدزد لختے چند اختیار و دانش | ہوشم ببر زمانے تا کے غمِ زمانه

صوفی چگونه گردد گرد شراب صافی | گنجشک را نه گنجد عنقا در آشیانه
آن کوزه بر کفم نه کاب حیات دارد | هم طعم نار دارد هم رنگ ناردانه
گرمے بجاں رساند بستاں که پیش دانا | زآب حیات خوشتر خاک شرابخانه

هر روز بادے برد از بوستان گلے | مجروح میکند دل مسکین بلبلے
روئیست ماه پیکر و موئیست مشکبوے | هر لالۂ که میدمد از خاک و سنبلے
بالاے خاک هیچ عمارت نکرده اند | کز وے بدیر و زود نباشد تحولے
مکروه طلعتے ست جهاں فریب ناک | هر بامداد کرده به شوخی تجملے
وی بوستان و خرم و صحرا و لاله زار | وز بانگ مرغ در چمن افتاده غلغلے
وامروز خارهاے مغیلاں کشیده تیغ | گوئی که خود نبود دریں بوستاں گلے
دنیا پلے ست رهگذر دار آخرت | اهل تمیز خانه نگیرند بر پلے

آنکه آگاه نه عالم درویشاں را | تو چه دانی که چه سودا و سر ایشاں را
گنج آزادگی و کنج قناعت ملکیست | که به شمشیر میسر نشود سلطاں را
طلب منصب فانی نکند صاحب عقل | عاقل آنست که اندیشه کند پایاں را
جمع کردند و نهادند و به حسرت رفتند | دیں چه دارد که بحسرت نگذارد آں را
در ازل بود که پیمان محبت بستند | نشکند مرد اگرش سر برود پیماں را
عاشقے سوختۂ بے سروساماں دیدم | گفتم اے یار مکن در سر فکرت جاں را
نفسے سرد برآورد و ضعیف از سر زد | گفت مگذار من بے سر و بے ساماں را

پند و لب‌بند تو در گوش من آید هیهات   منکر بر در و حریصیم چه کنم دربان را
سعدیا عمر عزیزست بغفلت مگذار   وقت فرصت نشود فوت مگر نادان را

لاابالی چه کند دفتر دانائی را   طاقت وعظ نباشد سر سودائی را
دیده را فایده آنست که دلبر بیند   ورنه بیند چه بود فائده بینائی را
همه دانند که من سبزه خط دارم دوست   نه چو دیگر حیوان سبزه صحرائی را
سعدیا نوبتی امشب دهل صبح نکوفت   یا مگر صبح نباشد شب تنهائی را

شبی و شمعی و گوینده و زیبائی   ندارم از همه عالم جز این تمنائی
فرشته رشک برد بر جمال مجلس من   گر التفات کند چون تو مجلس آرائی
ضرورتست بلا دیدن و جفا بردن   ز دست آنکه ندارد بحسن همتائی
قیامتست که در روزگار ما خاست   به راستی که بلائیست آن نه بالائی
وگرچه بینی اگر رو از و بگردانی   که نیست خوشتر از و در جهان تماشائی
وگر کنی نظر از دور کن که نزدیکست   که سر ببازی اگر پیشتر نهی پائی

عالم که عارفان را گوید نظر بدوزند   گر یار ما ببیند صاحب نظر باشد
زیرا که پادشاهی چون بقعه بگیرد   بنیاد حکم اول زیر و زبر باشد
دیوانه را که گوئی هشیار باش و عاقل   ترسم که از نصیحت دیوانه تر باشد
ساقی بیار جامی مطرب بگوی چیزی   لب بر دهان نی نه تا نیشکر باشد

بوسے زلف تو با باد عیش ما دارم | اگرچہ عیب کنندم کہ باد پیمائیست
تُرا ملامتِ سعدی حلال کے باشد | کہ بر کناری و او درمیانِ دریائیست

الغرض شیخ سے پہلے تغزل کا میلان زیادہ تر عشق مجازی کی طرف تھا اور عشق مجازی کے متعلق بھی صرف وہ بیرونی اور ظاہری حالتیں بیان کی جاتی تھیں جو عام عشقبازوں کی زبان پر جاری ہوتی ہیں۔ شیخ نے اپنی غزل میں ایسی باتیں کم لکھی ہیں بلکہ وہ اکثر عشق ومحبت کے پوشیدہ اسرار وغوامض اور عمیق کیفیات اور اندرونی حالات بیان کرتا ہے جو دلبستگی کے زمانہ میں ہر انسان پر گزرتے ہیں لیکن ہر شخص ان کو بیان نہیں کرسکتا بلکہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ پر کیا گزررہا ہے۔ مثلاً یہ بات عشقبازوں اور بوالہوسوں کے زبان زد ہوتی ہے کہ معشوق کی جدائی ایسی سخت چیز ہے جو کسی طرح اور کسی حالت میں برداشت نہیں کی جاسکتی لیکن یہ بات عام نظروں سے مخفی ہوتی ہے کہ وصل کی امید پر جدائی بسر کرنی ایسی مشکل نہیں ہے جیسی خیال کی جاتی ہے جیساکہ شیخ کہتا ہے:-

اے کہ گفتی ہیچ مشکل چون فراقِ یار نیست
گر امیدِ وصل باشد آنچناں دشوار نیست

یا مثلاً جو لوگ کسی کے عشق میں مبتلا ہیں اور باوجود کمال اشتیاق کے

وصل سے بہرہ مند نہیں ہوتے وہ عموماً عشق و محبت کی قید سے آزاد ہونے کی آرزوئیں کیا کرتے ہیں اور اس موقع کو یاد کر کے پچھتاتے ہیں جبکہ وابستگی کے سامان انہوں نے خود مہیا کئے تھے اور بار بار صورت دیکھنے یا باتیں سننے یا ربط بڑھانے سے ایک مردہ چنگاری کو زیادہ افروختہ کیا تھا لیکن انکو یہ شعور بہت کم ہوتا ہے کہ اس جلن اور سوزش میں کسقدر لذت چھپی ہوئی ہے اور یہ کہ اگر بالفرض ترک عشق و محبت پر انکو اختیار دیا جاوے تو وہ ہرگز اس دلبند قید سے چھوٹنا گوارا نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ شیخ نے کہا ہے۔

برنخیزد بعاشق گر بشکنی قفس را
از ذوق اندرونش پروای در نباشد

یا مثلاً عشاق کا عام خیال یہ ہے کہ معشوق کے دیکھنے سے کبھی جی سیر نہیں ہوتا اور جبتک وہ سامنے رہتا ہے عاشق اس کے دیکھنے سے باز نہیں رہ سکتا مگر یہ بات بہت کم خیال میں گزرتی ہے کہ عشاق کو بسا اوقات ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں کہ باوجود کمال اشتیاق کے معشوق کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے جیسا کہ شیخ کہتا ہے۔

دل و جانم بتو مشغول و نگہ بر چپ و راست
تا ندانند رقیبان کہ تو منظور منی

یا مثلاً عشاق کا عام خیال یہ ہے کہ دوست سے جب مدت کے بعد ملاقات ہوتی ہے تو وہ شکوہ و شکایت اور جدائی کی مصیبتیں بیان کرنیکا متوقع ہوتا ہے مگر اس واقعی کیفیت سے بیخبر ہوتے ہیں کہ جب دوست سے ملاقات ہوتی ہے تو اس کے ملنے کی خوشی میں اکثر تمام شکوے اور

جدائی کے صدمے یکقلم فراموش ہوجاتے ہیں چنانچہ شیخ نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے ؂

"گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم چہ بگویم کہ غم از دل برود چونتو بیائی"

غرضکہ ایسے گہرے خیالات سے قدما کی غزل بالکل مُعرا تھی۔ اوّل شیخ ہی نے اِن مضامین کی بُنیاد ڈالی ہے۔ تصوف و درویشی وغیرہ کے مضامین نے غزل میں اور بھی زیادہ لذّت اور نمک اور دَرد بھر دیا۔ جن اصُول پر شیخ نے غزل کی بُنیاد رکھی تھی اُس کے بعد اکثر مُتغزلین نے وہی اصُول اختیار کئے کیونکہ اُن کے بغیر غزل کا سرسبز ہونا نہایت دشوار تھا اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ایران اور ترکستان اور ہندوستان میں ایک آگ سی لگ گئی۔ ہر موزون طبع نے غزل کہنی اختیار کی اور غزل گویوں کی تعداد حساب اور شمار سے زیادہ بڑھ گئی۔ از انجملہ بعض اکابر کی غزل نے شیخ سے بھی زیادہ شہرت اور رواج پایا۔ علی الخصوص خواجہ حافظ شیرازی کی غزل نے اپنا وہ سکّہ جمایا کہ مذکورۂ بالا مُلکوں میں جو لوگ شعر کا مذاق رکھتے تھے یا فقر و درویشی کی چاشنی سے باخبر تھے یا راگ راگنی سے آشنا تھے یا شراب و کباب کا چسکا رکھتے تھے یا عاشق مزاج اور عیش دوست تھے سب جان و دل سے اُس پر قربان ہوگئے۔ رقص و سرود کی محفلوں میں۔ حال و قال کی مجلسوں میں۔ قہوہ خانوں اور شراب خانوں میں۔ شُعرا کی صُحبتوں میں۔ مشائخ کے حلقوں میں در و دیوار سے لسان الغیب ہی کی آواز آنے لگی ؎

اِس میں کچھ شک نہیں کہ شیخ کی غزل نے فارسی شاعری میں ایک خاص قسم کی وسعت پیدا کی جس کے سبب سے قدرتی جذبات کا ایک طویل الذیل باب یعنی عشق و محبت وغیرہ کے مضامین نہایت آب و رنگ کے ساتھ بیان کئے گئے۔ مگر اِس میں بھی کچھ شبہہ نہیں کہ اِس بادۂ ہوش ربا یعنی غزل سے سوسائٹی کے اخلاق۔ خیالات۔ اور معاشرت پر کچھ اچھے ثمرے مترتب نہ ہوے۔ شعر کو خواہ وہ عاشقانہ ہو اور خواہ اخلاقی ایک پوشیدہ تعلق اخلاق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جو اشعار کسی قوم میں زیادہ شائع ہو جاتے ہیں اور مجالس و محافل میں ہمیشہ پڑھے اور گائے جاتے ہیں وُہ اندر ہی اندر تمام جماعت پر اپنا اثر اِس طرح کرتے ہیں کہ جماعت کو اصلا شعور نہیں ہوتا اور جسقدر شعر میں نمک اور حُسن زیادہ ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی تاثیر جلد اور پایدار ہوتی ہے شیخ سعدی۔ خواجہ حافظ۔ امیر خسرو۔ میر حسن سنجری۔ مولانا جامی وغیرہم کی غزلیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ممالک اسلامیہ کے ایک بڑے حصّہ میں عموماً پڑھی اور گائی جاتی ہیں۔ اگرچہ اِن بزرگواروں کا کلام زیادہ تر حقائق اور معارف اور سلوک اور تصوّف پر مبنی ہے۔ لیکن اُسمیں مجاز و حقیقت کے دونو پہلو موجود ہیں۔ جس طرح اُس سے ایک صُوفی خُدا پرست رُوحانی کیفیت اُٹھاتا ہے اِسی طرح ایک بوالہوس صورت پرست کے نفسانی جذبات اُسکے سُننے اور پڑھنے سے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ خواجہ حافظ کی غزل مجالس و محافل میں گائی جاتی ہے اور اُس کے

مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں ۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند باتوں
کی ترغیب دیتی ہے ۔ عشق حقیقی کے ساتھ ہی عشق مجازی اور صورت پرستی
و کام جوئی کو بھی وہ دین و دنیا کی نعمتوں اور فضیلتوں سے افضل بتاتی
ہے ۔ مال و دولت ۔ علم و ہنر ۔ نماز و روزہ ۔ حج و زکواۃ ۔ زہد و تقوی
غرضکہ کسی شے کو نظر بازی و شاہد پرستی کے برابر نہیں ٹھہراتی ۔ وہ عقل و
تدبیر ۔ مآل اندیشی ۔ تمکین و وقار ۔ ننگ و ناموس ۔ جاہ و منصب وغیرہ
کی ہمیشہ مذمت کرتی ہے ۔ اور آوارگی ۔ رسوائی ۔ بدنامی ۔ بدمستی ۔
بے سروسامانی وغیرہ کو جو کہ عشق کی بدولت حاصل ہو تمام حالتوں
سے بہتر ظاہر کرتی ہے ۔ دولت دنیا پر لات مارنا ۔ عقل و تدبیر سے
کبھی کام نہ لینا توکل اور قناعت کے نشہ میں اپنی ہستی کو مٹانا اور
جوہر انسانیت کو خاک میں ملا دینا ۔ دنیا و مافیہا کے زوال و فنا کا ہر وقت
تصور باندھے رکھنا ۔ علم و حکمت کو لغو و پوچ اور حجاب اکبر جاننا ۔ حقائق
اشیاء میں کبھی غور و فکر نہ کرنا ۔ کفایت شعاری اور انتظام کا ہمیشہ دشمن
رہنا ۔ جو کچھ ہاتھ لگے اُسکو فوراً رائگاں کھو دینا اور اسی طرح کی اور بہت
سی باتیں اُس سے مستفاد ہوتی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مضامین ایسے
ہیں جو ہمیشہ بے فکروں اور نوجوانوں کو بالطبع مرغوب ہوتے ہیں ۔
اور کلام کا سادہ اور عام فہم ہونا اور شاعر کی فصاحت و بلاغت
اور مطرب و رقاصہ کی خوش آوازی اور حسن و جمال اور مزامیر کی
لَے انکو لے اُڑتی ہے اور اُن کی تاثیر کو دس بیس گنا کر دیتی ہے ۔

اور جب باوجود ان سب باتوں کے سامعین کو یہ بھی اعتقاد ہوتا ہے کہ اس کلام کے قائل اکابر صوفیہ اور مشائخ کرام ہیں جن کی تمام عمر حقائق اور معارف کے بیان کرنے میں گزری ہے اور جن کا شعر شریعت کا لُبّ لُباب اور طریقت کا رہنما اور عالم لاہوت کی آواز ہے تو یہ مضامین اور بھی زیادہ دلنشین ہوتے ہیں۔ پس ممکن نہیں کہ شیخ اور اُس کے متبعین کی غزل نے سوسائٹی کو اپنے جادو سے اچھوتا چھوڑا ہو۔ اور جب ہم مسلمانوں کے اخلاق اور معاشرت پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن کو اکثر اُن صفات سے موصوف پاتے ہیں۔ جنکی اس مجموعۂ غزلیات سے ترغیب ہوتی ہے۔ عشق بازی۔ حسن پرستی اُن کے ساتھ اس قدر مخصوص ہے کہ نہ صرف دولت مند بلکہ اکثر فاقہ مست بھی اس کا چسکا رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف نوجوان بلکہ معمّر لوگ بھی اُس کا دم بھرتے ہیں۔ فضول خرچی۔ ناعاقبت اندیشی۔ عقل و تدبیر سے کچھ کام نہ لینا۔ توکّل اور قناعت کے دھوکے میں معاش کی کچھ فکر نہ کرنی۔ غیر قوموں کی ترقی کا ذکر سنکر دُنیا و ما فیہا کو ہیچ و پوچ بتانا۔ عقل انسانی کو حقائق اشیاء کے ادراک سے عاجز جاننا اور موجودہ علمی ترقیات کو سراسر ایک دھوکا سمجھنا وغیرہ وغیرہ ہماری قوم کی عام خاصیتیں ہیں جو ہمارے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں کم و بیش پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ بات کہنی مشکل ہے کہ ہم لوگوں میں یہ خاصیتیں اسی شعر و غزل کی بدولت پیدا ہوئی ہیں۔ شاید اس سے

اصلی اسباب کچھ اَور ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ عاشقانہ اور متصوفانہ اشعار نے اِس حالت کی ترقی دینے میں بہت کچھ مدد پہنچائی ہے۔

سٹیون صاحب نے جو کلکتہ رویو مورخہ جون ۱۸۵۶ء میں خواجہ حافظ کا حال لکھا ہے ۔ اُس میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جسکا نقل کرنا اس مقام پر شاید بے موقع نہوگا ۔ وُہ لکھتے ہیں کہ "سعدی جو کہ حافظ کا چچا ہے ایک روز وُہ اور حافظ کسی جگہ بیٹھے تھے اور سعدی غزل لکھ رہا تھا جسکا پہلا مصرعہ حافظ کی بھی نظر پڑ گیا ۔ اتفاقاً اُسوقت سعدی کسی کام کے لئے وہاں سے اُٹھ گیا اور اپنی غزل کا کاغذ ساتھ لے گیا ۔ حافظ نے اُس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ لگا کر اور پوری بیت ایک پرچہ پر لکھکر وہاں چھوڑ دی ... اور آپ چلدیا ۔ شیخ نے پھر وہاں آکر حافظ کو نہ پایا مگر وُہ شعر لکھا ہوا دیکھا جس میں سعدی پر کچھ چوٹ کی تھی ۔ سعدی اِس بات سے ناخوش ہوا اور حافظ کو بُلا کر پوچھا کہ یہ شعر تو نے لکھا ہے؟ اُسنے کہا ہاں ۔ شیخ نے اُس سے ساری غزل پوری کرائی اور جب وُہ غزل سُنی تو اُسکو بددعا دی کہ جو شخص تیری غزل پڑھیگا وُہ عقل سے بیگانہ رہے گا "۔ اِس کے بعد صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے اکثر شیعی مسلمان اِس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بیشک سعدی کی بددعا حافظ کے حق میں مستجاب ہوئی کیونکہ اُسکے ہر ایک شعر میں یہ تاثیر پائی جاتی ہے ۔ اِس کے بعد وہ لکھتے

ہیں کہ " یہ حکایت صحیح ہو یا نہ ہو مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حافظ کی غزل سے دیوانگی اور وحشت پیدا ہوتی ہے " میں کہتا ہوں کہ یہ خیال تو شاید غلط نہ ہو مگر یہ حکایت قطعی غلط ہے کیونکہ شیخ اور خواجہ کی وفات میں پورا ایک صدی کا آگا پیچھا ہے۔ قسطنطنیہ کے شیعوں کا خیال میرے نزدیک اس اعتبار سے صحیح ہے کہ خواجہ حافظ کی غزل کی عبارت اور مزاولت سے بیشک ابرار و احرار کے دلوں میں دُنیا کی بے ثباتی اور توکّل و استغنا و قناعت کا نہایت پختہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اوباش و اوباط کو بیفکری۔ ناعاقبت اندیشی۔ عشقبازی۔ بدنامی و رسوائی کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے پہلی تاثیر بھی ویسی ہی خانہ برانداز اور خانماں سوز ہے جیسی دوسری۔ ہر زمانہ کا جُدا جُدا اقتضا ہوتا ہے۔ جب دولتمند اور ذی اقتدار لوگ دُنیا طلبی اور حُب جاہ میں سراسر منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور جسمانی خوشیوں میں محو ہو کر روحانی مسرتوں کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور عقل و شریعت کے احکام معطل ہونے کے قریب جا پہنچتے ہیں اُس وقت البتہ یہ امید ہو سکتی ہے کہ ایسی ترغیبوں سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا ہو۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ تمام قوم کم ہمت اور پست حوصلہ ہوئی ہو اور اولوالعزمی کا تخم اُن کی طبیعت میں جل گیا ہو اور جبکہ تمام دُنیا کی قومیں ترقی کی طرف متوجہ ہوں اُس وقت دُنیا سے اُن کا دل سرد کرنا اور قناعت اور توکّل کا اُن کو سبق پڑھانا بالکل

ایسا ہی ہے جیسے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں بجائے تیل ڈالنے کے زور سے پھونک مار کر اُسکو گل کر دینا۔ پس ممکن ہے کہ شیخ اور اُس کے متبعین کی غزل نے اُس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کے دماغ میں نشۂ جاہ دُنیوی عروج پر تھا کچھ مفید نتائج پیدا کئے ہوں لیکن اس زمانہ میں میرے نزدیک اس سے ضرر کا اندیشہ ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ شیخ اور حافظ کی غزل پر کچھ اعتراض کرنا مقصود ہے بلکہ اس سے اُن کی کمال سحر بیانی اور سیف زبانی ثابت ہوتی ہے۔ شاعر کا کمال یہی ہے کہ جو کچھ وہ کہے اُس سے لوگ متاثر ہوں۔ نہ یہ کہ اُس سے کبھی مضر نتائج پیدا نہ ہونے پائیں۔ باروت نے باوجودیکہ بنی آدم کی ہزاروں جانیں تلف کی ہیں اور شراب نے بے شمار آدمیوں کو اخلاقی اور جسمانی مضرتیں پہنچائی ہیں باایں ہمہ اُن کے موجدوں کی دانشمندی کا تمام دُنیا اعتراف کرتی ہے اور کریگی۔

قصائد وغیرہ

اس مجموعہ میں شیخ کے مدحیہ قصیدے۔ مرثیے۔ ترجیع بند۔ ملمع اور مثلث جمع کئے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ غزلیات کی نسبت بہت تھوڑا ہے۔

شیخ نے قصیدہ میں کچھ زیادہ نام اور شہرت حاصل نہیں کی - یا تو اُس کی طبیعت ہی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی کی گوں نہ تھی اور یا اُس نے مدح و ستائش کے طریقۂ مروجہ کو مکروہ سمجھ کر اختیار نہیں کیا - مگر چونکہ اُس زمانہ کے دستور کے موافق ایک ایسے نامور شاعر کو جیسا کہ شیخ تھا کچھ کچھ قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا اِسلیئے اُسنے کیقدر قصائد لکھے ہیں جو کہ پہلے قصیدہ گویوں کی طرز سے بالکل مغائر ہیں -

شیخ سے پہلے جو حالت قصیدہ گوئی اور مدّاحی کی مسلمانوں میں تھی اُسکی تفصیل کرنیکا یہاں محل نہیں مگر مختصر یہ ہے کہ منصور بن مہدی عباسی خلیفہ بغداد کے زمانہ سے شعرا کو نہایت گراں بہا صلے اور انعام ملنے لگے تھے - ایک ایک شعر پر لاکھ لاکھ درہم شاعروں کو مل جاتے تھے خلفا اور امرا کو اپنی تعریفیں سُننے کا ایسا شوق ہو گیا تھا کہ اُن کا مدّاح کسی دوسرے شخص کی مدح میں زیادہ مبالغہ کرتا تھا تو اُن کو سخت ناگوار ہوتا تھا اور اگر تشبیب میں زیادہ شعر لکھ لاتا تو شکایت کرتے تھے کہ یہ لوگ طبیعت کا سارا زور تو خال و خط کی تعریف میں خرچ کر دیتے ہیں صرف بچے کھچے خیالات ہمارے سر مارتے ہیں - ہزاروں علما و فضلا نے قصیدہ گوئی اور مدّاحی کو اپنا پیشہ ٹھیرالیا تھا اور شاعری میں شہرت ہوجانے کے بعد کسیکو اسبات سے چارہ نہ تھا کہ ذی اقتدار لوگوں کی مدح سرائی میں خامہ فرسائی کرے - شعرا تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس امید پر سفر کرتے تھے اور قصیدہ گوئی کی بدولت اطراف و جوانب سے

مال و دولت جمع کر کے لاتے تھے۔ عباسیوں کے علاوہ فاطمی۔ دیلمی۔ کُردی۔ طاہری۔ صفاری۔ سامانی۔ غزنوی۔ سلجوقی۔ خوارزم شاہی۔ وغیرہ تمام سلسلوں میں مداحوں کی نہایت قدر کی جاتی تھی۔ ایران میں بھی سامانیوں کے عہد سے پہلے تو عربی قصائد ہی کا زور شور رہا مگر سامانیوں کے زمانہ میں ایران کی شاعری کا مدار زیادہ تر فارسی زبان پر آ ٹھیرا۔ فارسی قصیدہ نے بھی خوب رواج پایا۔ ظہیر۔ رشید۔ خاقانی اور انوری وغیرہم نے فارسی قصیدہ میں وُہی شُہرت حاصل کی جو عربی میں متنبّی۔ ابو تمام۔ بحتری اور ذوالرمۃ نے حاصل کی تھی۔

اِس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ سعدی جیسے مشہور شاعر کو سلاطین و اُمرائے عہد کی تعریف میں قصیدہ لکھنا ایسا ہی ضروری تھا جیسے درباریوں کو جشن اور تہواروں میں نذر دکھانا مگر قصیدہ کی حالت اُسوقت ایسی بُری تھی کہ شیخ کو اپنی جبلّی استقامت اور سنجیدگی کے سبب اُس روش پر چلنا دشوار تھا۔ ممدوح کی ستایش میں سراسر عقل و عادت کے خلاف مُبالغے کئے جاتے تھے۔ الفاظ کی سادگی اور بے تکلفی قصائد میں مذموم سمجھی جاتی تھی۔ مسایل علمیہ اور مقدمات حکمیہ اور سلوک و تصوّف کے دقائق اور علوم مختلفہ کی اصطلاحیں اظہارِ علم و فضل کے لئے اُن میں بالقصد داخل کیجاتی تھیں۔ صنائع لفظی خصوصاً تجنیس و ترصیع وغیرہ کو اُن کا زیور

سمجھتے تھے۔ شیخ کی آزادی اور حق گوئی خصوصاً سادہ بیانی جو اُس کی طبیعت میں ودیعت کی گئی تھی اِن تکلفاتِ لایعنی سے مانع تھی اُسکے کلام سے جا بجا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وُہ مُبالغہ اور خوشامد کو نہایت ناپسند کرتا تھا۔ ظہیر فاریابی نے قزل ارسلاں کی مدح میں ایک جگہ یہ شعر لکھا ہے۔

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پاے ۔ تا بوسہ بر رکابِ قزل ارسلاں نہد

شیخ بوستان میں جہاں اتابک ابوبکر سعد کی تعریف لکھتا ہے وہاں ظہیر کے اِس شعر پر اِس طرح تعریض کرتا ہے۔

براہِ تکلف مرو سعدیا ۔ اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو ۔ تو حق گو و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نہ کرسیِ آسماں ۔ نہی زیر پاے قزل ارسلاں
مگو پاے عزت بر افلاک نہ ۔ بگو روے اخلاص بر خاک نہ

اِسکے سوا اور اکثر جگہ اُسنے مدّاح پیشگی سے نفرت اور اعراض ظاہر کیا ہے۔ اُس کے ایک قطعہ کا یہ مضمون ہے کہ "لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اے سعدی تو کیوں سختیاں اُٹھاتا ہے اور کیوں اپنے کمال شاعری سے متمتع نہیں ہوتا؟ اگر تو مدح گوئی اختیار کرے تو نہال ہو جائے۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی رئیس یا امیر کے دروازہ پر اپنا مطلب دریوزہ گروں کی طرح لے جاؤں۔ اگر ایک جو بھر ہنر کے عوض میں کوئی مجھ کو سو خزانے بخشدے تو وہ مستحقِ شکر

ہے اور ہیں قابل نفرین"

شیخ کو قطع نظر اسکے کہ مبالغہ اور خوشامد سے نفرت تھی کوئی ضرورت بھی ایسی داعی نہ تھی کہ وہ آنکھیں بند کرکے اگلی بھیڑوں کے پیچھے قدم بقدم چلنے پر مجبور ہوجاتا اور قصیدہ گوئی کا جو اسوقت کمال سمجھا جاتا تھا اُسکے حاصل کرنے میں مقتضاے طبیعت کے خلاف کوشش کرتا - وہ سلطانی خدمات سے ہمیشہ متنفر رہتا تھا اور اپنے دوستوں کو اس سے باز رکھنے میں کوشش کرتا تھا - پس اُسکو اِس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ قصیدہ کو مقبول خاص و عام بنائے اور اِس ذریعہ سے دربار میں تقرّب حاصل کرے - جتنے نامی قصیدہ گو ایران میں گزرے ہیں سب بادشاہوں کے ہاں اِس خدمت پر مامور رہے ہیں کہ خوشی کی تقریبوں میں طوفان کے تودے بنا کر لائیں اور اُن میں جسقدر زیادہ مبالغہ اور جھوٹ کو کام فرمائیں اُسیقدر گراں بہا صلے اور انعام پائیں - چنانچہ ظہیر قزل ارسلان کے ہاں - انوری سلطان سنجر کے ہاں - رشید وطواط خوارزم شاہ اُتسز کے ہاں اور خاقانی شروانشاہ کے ہاں ملک الشعرا تھے - اِن لوگوں کی تمام طاقت اور لیاقت قصیدہ گوئی میں صرف ہوتی تھی اور اُن کی ترقی اور تقرّب کا مدار صرف اُن باتوں پر تھا جو اُس زمانہ میں قصیدہ گوئی کے لئے ضروری تھیں یہی سبب ہے کہ قصیدہ کے سوا کوئی بڑی یادگار اُنہوں نے نہیں چھوڑی *

پس اگرچہ شیخ جیسے مشہور اور نامور شاعر کو اُس زمانے کے دستور

کے موافق کچھ نہ کچھ قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا لیکن اُس کو ویسے
جھوٹے اور نمائشی طلسم باندھنے کچھ ضرور نہ تھے جیسے کہ انوری اور ظہیر وغیرہ
نے باندھے ہیں۔ اسی لئے غلطی سے یہ خیال کیا گیا ہے کہ شیخ کو قصیدہ
لکھنا نہ آتا تھا۔ میں ہرگز اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ اُسکو معمولی
چمک دمک کے ساتھ قصیدہ لکھنے پر قدرت نہ تھی بلکہ میرے نزدیک
جس طرح رُول ٹیڑھا خط کھینچنے سے مانع ہوتا ہے اسی طرح طبیعت کی
استقامت کبھی بے راہ نہیں چلنے دیتی۔ اس میں شک نہیں کہ
فارسی میں جسقدر قصیدہ حدِ شاعری سے متجاوز ہو گیا ہے ایسی اور
کوئی صنف نہیں ہوئی۔ مدحیہ قصائد سے ہمیشہ یہ مقصود ہونا چاہئے
کہ ممدوح کی صفات کو سُنکر خاص و عام کے دل میں اُسکی محبت اور
اُسکے ساتھ حسنِ ظن پیدا ہو اور خود ممدوح پر یہ اثر ہونا چاہئے کہ اگر وہ
صفتیں اُسمیں موجود ہوں تو اُن میں اور زیادہ ترقی کرے یا کم سے کم اُن کو
اُسی حال پر قایم رکھے اور اگر نہوں تو اُن کے حاصل کرنیں کوشش
کرے۔ یہ مطلب جیسا کہ ظاہر ہے جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ جو
صفات مدح میں ذکر کی جائیں وہ ممدوح کی ذات میں یا تو فی الواقع
موجود ہوں یا اُن کے موجود ہونے کا احتمال ہو۔ ورنہ ممدوح کے
دل میں اُس مدح کی وقعت ایک ہجو ملیح سے زیادہ نہ ہوگی۔ مثلاً ظہیر
فاریابی نے جو قزل ارسلان کی مدح میں یہ لکھا ہے کہ "تصور جب
ساتوں آسمانوں اور عرش و کرسی کو طے کرلیتا ہے تب جاکر قزل ارسلان

کی رکاب پر بوسہ دیتا ہے۔ اس سے قزل ارسلان کے دل پر سوا اسکے کہ اسکو ایک ہجو ملیح سمجھا ہوا ور کیا اثر ہوا ہوگا۔ یا مثلاً انوری جو مجدالدین ابوالحسن کے شان میں لکھتا ہے کہ "اگر وہ زمانہ گذشتہ کو رجعت کا حکم دے تو پھر کر زمانہ آیندہ کی جگہ آجاے"۔ اس سے ابوالحسن کے دل میں سوا اس کے کہ مداح مجھکو بناتا ہے یا میرا خاکا اڑاتا ہے اور کیا خیال گذرا ہوگا۔ یہی حال اُن تمام قصیدہ گویوں کی مدح کا ہے جن کو ایران اور ہندوستان وغیرہ میں سب نے تسلیم کیا ہے۔ شیخ نے نہ عدم قدرت کے سبب بلکہ فرط کراہت کے سبب مدح وستایش کے اس ناپسندیدہ طریقہ کو اختیار نہیں کیا۔ اُسنے قصائد بھی اُسی اپنی شیرین زبانی اور سادہ بیانی و بے تکلفی کے ساتھ جو کہ اُسکے کلام کی عام خاصیت ہے لکھے ہیں۔ اُسکے قصائد سے کمال آزادی اور حق گوئی ثابت ہوتی ہے۔ اُس نے اکثر قصیدے اور ترجیع بند وغیرہ محض محبّت اور خلوص اور دلی جوش سے لکھے ہیں نہ خوشامد کی راہ سے اور نہ صلۂ و انعام کی امید پر۔ باقی جسقدر قصیدے بضرورت سلاطین عہد اور حکّام وقت کی شان میں لکھے ہیں اُن کے اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہے کہ اُسنے اہل دُنیا کی تنبیہ اور نصیحت و پند کے لئے قصیدہ کو اُن سے خطاب کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا تھا۔ کیونکہ وُہ بالکل مواعظ و نصائح سے بھرے ہوئے ہیں۔ بعض قصیدوں میں پند و اندرز کے سوا مدحیہ اشعار دو چار سے زیادہ نہیں۔ یہ وُہ قصیدے ہیں جو اُسنے

اپنے دوست اور معتقد امیروں اور بادشاہوں کے ساتھ نامزد کئی ہیں۔ ان کے سوا اور قصیدوں میں اوّل مدح و ستایش کی چاٹ دیکر پھر نصیحت کرنی شروع کی ہے۔

شیخ کی قصیدہ گوئی کا ڈھنگ اور اُسکی علتِ غائی جو اُسنے قرار دی تھی ذیل کے اشعار سے معلوم ہوسکتی ہے۔

اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جو فارس کا بادشاہ تھا اور شیخ اُسکی رعایا میں سے تھا اُسکی طرف خطاب کرکے کہتا ہے۔

بنوبت اند ملوک اندریں سپنج سرائے
کنونکہ نوبتِ تُست ای ملک بعدل گرائے

چہ مایہ بر سرِ ایں ملک سروراں بودند
چو دورِ عمر بسر شد درآمدند از پائے

نیاز باید و طاعت نہ شوکت و ناموس
بلند بانگ چہ سود و میاں تہی چو درائے

بتیغ و نیزہ گرفتند جنگجویاں مُلک
تو برّ و بحر گرفتی بعدل و ہمت و رائے

چو ہمت ست چہ حاجت بہ گرزِ مغفر کوب
چو دولت ست چہ حاجت بہ تیرِ جوشن خائے

عمل بیار کہ رختِ سرائے آخرت است
نہ عود سوز بکار آیدت نہ عنبر سائے

ہر انکس ست کہ بہ آزارِ خلق فرماید
عدوی مملکت ست آں بکشتنش فرمائے

بکامِ دلِ دشمن نشیند آن مغرور
کہ بشنود سخنِ دشمنانِ دوست نمائے

دیارِ مشرق و مغرب مگیر و جنگ مجوے
دلے بدست کن و زنگِ خاطرے بزدائے

نگویمت چو زباں آورانِ رنگ آمیز
کہ ابرِ مشک فشانی و بحرِ گوہر زائے

نگاہ آنچہ نوشتہ ست عمر و نفزاید
پس اینچہ فائدہ گفتن کہ تا بحشر بپائے

دوسرے قصیدہ میں چند مدحیہ شعر لکھ کر اتابک ابوبکر کی طرف

اِس طرح خطاب کرتا ہے۔

مدح شیوۂ درویش نیست تا گویم	کہ ہمچو بحرِ محیطی و ابر آذاری
نگوییت کہ بفضل از کرام ممتازی	نگوییت کہ بعدل از ملوک مختاری
وگرچہ اینہمہ ہستی نصیحت اولیٰ تر	کہ پند راہ خلاص ست و دوستی یاری
بسعی کوش کہ ناگہ فراغتت نبود	کہ سر بخاری۔ اگر روی شیر بزغاری
خدای یوسف صدیق را عزیز نکرد	بخوبروی۔ ولیکن بخوب کرداری
شکوہ لشکر و جاہ و جلال و مالت ہست	ولے بکار نیاید بجز نکوکاری
بقائے مملکت اندر وجود یک حرفست	کہ دست ہیچ قوی بر ضعیف نگماری
پس از گرفتن عالم چو کوچ خواہد بود	رواست گر ہمہ عالم گرفتہ انگاری
بہ نیک و بد چو بباید گذشت آن بہتر	کہ نیک نام بدست آوری و بگذاری
ہزار سال نگویم بقائے عمرِ تو باد	کہ این مبالغہ دانم ز عقل نشماری
ہمین سعادت و توفیق بر مزیدت باد	کہ حق گزاری و ناحق کسی نیازاری

اتابک سلجوق شاہ بن سلغر شاہ جو اتابکوں کے خاندان میں بڑا ظالم بادشاہ گزرا ہے اور جو آخر کو اپنے ظلم کے سبب قتل کیا گیا اُس کی مدح میں چند شعر لکھکر کہتا ہے۔

مُراد سعدی از انشاد و زحمتِ خدمت	نصیحت ست بسمعِ قبول شاہنشاہ
دوامِ دولت و آرام مملکت خواہی	ثبات راحت و امن و مزید رفعت و جاہ
کمر بطاعت و انصاف و عدل و عفو ببند	چو دستِ رحمتِ حق بر سرت نہادہ کلاہ
تو روشن آئینۂ ز آہِ دردمند بترس	عزیز من! کہ اثر میکند در آئینہ آہ

معلمان بد آموز را سخن مشنو | که دیر سال بمانی بکام نیکی خواه

ایلخان یعنے ہولاکو خان یا اُسکے بیٹے اباقا خان کی شان میں جن کی ہیبت سے روم وروس وچین کے بادشاہ لرزتے تھے مدحیہ اشعار لکھکر لکھتا ہے۔

ہر نوبتے نظر بہ یکے مے کند سپہر	ہر مدّتے زمیں بہ یکے میدہد اماں
بیخے نشاں کہ دولت باقیت بر دہد	کایں باغ عمر گاہ بہارست و گہ خزاں
ای بادشاہ روے زمیں فرّ و راز انست	اندیشۂ تقلّب دوران کن وزماں
چون کام جاوداں تتصوّر نمیشود	خرم کسیکہ زندہ کند نام جاوداں
تا واں کہ بخل میکند و گنج مے نہد	مزدور دشمن ست تو بردوستاں فشاں
یارب تو ہر چہ راے صوابست و فعل خیر	اندر دل وی افگن و بر دست وی براں
آہوے طبع بندہ چنیں مشک میدہد	کز یارش میبرند بہ تاتارش ارمغاں

سروار انکیانو جو خاندان اتابک کے زوال کے بعد سلطان اباقا خان پسر ہولاکو خان کے حکم سے فارس کا فرمان روا مقرر ہوا تھا اور اپنے قدیم تاتاری مذہب پر نہایت پختگی سے ثابت قدم تھا اُس کے شان میں جتنے قصیدے شیخ نے لکھے ہیں اُن میں متعدد اشعار کے سوا باقی تمام نصیحت و پند مندرج ہے از انجملہ ایک قصیدہ میں بہت سے مواعظ و نصائح کے بعد لکھتا ہے۔

حرامش باد ملک و بادشاہی	کہ پیشش مدح گویند از قفا ذم
عروس زشت دیبا کے تواں کرد	دگر بر خود کند دیباے معلم

اگر مردم ہمیں بالا و ریش اند ۔ بہ نیزہ نیز بربستہ ست پرچم
چنیں پند از پدر نشنیدہ باشی ۔ الا اگر ہوشیاری بشنو از عم
چو یزدانت مکرم کرد و مخصوص ۔ چناں زی در میان خلق عالم
کہ گر وقتے مکان بادشاہیت ۔ نباشد ۔ ہمچناں باشی مکرم
نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ ۔ سخن ملکے ست سعدی را مسلم
مقامات از دو بیروں نیست فردا ۔ بہشت جاودانی یا جہنم

سلجوق شاہ جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اُس کی مدح کو ایک اور قصیدہ میں اس طرح ختم کیا ہے ۔

جہاں نماند و آثار مملکت ماند ۔ بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم
کہ ملک و دولت ضحاک بیگنہ آزار ۔ نماند و تا بہ قیامت بماند رقم
خطاے بندہ نگیری کہ مہتران و ملوک ۔ شنیدہ اند نصیحت ز کہتران خدم
خنک کسیکہ پس از وے حدیث خیر کنند ۔ کہ جز حدیث نمی ماند از بنی آدم

ان کے سوا جو قصیدے خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اُس کے بھائی خواجہ علاء الدین جوینی اور مجد الدین رومی اور فخر الدین ابوبکر وغیرہم کی مدح میں لکھی ہیں اُن میں بھی مدح اکثر براے نام ہے زیادہ تر نصیحت و پند ہے اور بہت سے قصیدے ایسے بھی ہیں جو کسی کی مدح میں نہیں ہیں اُن میں صرف نصائح و مواعظ یا فصل بہار کا سماں یا معشوق کی تعریف یا حمد الٰہی وغیرہ مندرج ہے ۔

ایک مختصر قصیدہ اوّل سے آخر تک بھی اِس مقام پر نقل کیا جاتا ہے
تاکہ ناظرین کو مدح اور نصیحت دونو کا ڈھنگ معلوم ہو ٭

مدح و موعظۂ مجد الدّین رومی

جہاں بر آب نہادہ ست زندگی برباد | غلامِ ہمّتِ آنم کہ دِل برو نہ نہاد
جہاں نماند و خرّم روان آدمئے | کہ باز ماند ازو در جہاں بہ نیکی یاد
سرائے دَولت باقی نعیم آخرتست | زمین سخت نگہ کن چو مے نہی بنیاد
کدامِ عیش درین بوستان کہ بادِ اجل | ہمے بر آورد از بیخ قامتِ شمشاد
حیاتِ عاریتے خانہ ایست در رہِ سیل | چراغِ عمر نہادہ ست بر دریچۂ باد
بسے بر آید و بے ما فرو شود خورشید | بہار گاہ خزاں باشد و گہے مرداد
بر آنچہ میگذرد دل منہ کہ دجلہ بسے | پس از خلیفہ بخواہد گذشت در بغداد
گرت ز دست بر آید چو نخل باش کریم | ورت بدست نباشد چو سرو باش آزاد
بسے بدیدۂ حسرت ز پس نگاہ کند | کسیکہ برگِ قیامت ز پیش نفرستاد
وجود خلق بدل میکنند ورنہ زمین | ہمان ولایت کیخسروست و ملکِ قباد
چو طفل بر ہمہ بازید و بر ہمہ خندید | عجب تر آنکہ نگشتند دیگران استاد
عروسِ ملک نکو روے دخترست ولے | وفا نمے کند این سست مہر با داماد
نہ خود سریر سلیماں بباد رفتے و بس | کہ ہر کجا کہ سریست میرود بر باد
ہمین نصیحت من گوش دار و نیکی کن | کہ دانمت از پس سر گم کنی بہ نیکی یاد
نداشت چشم بصیرت کہ گرد کرد و بخورد | ببرد گوے سعادت کہ صرف کرد و بداد

چنانکہ صاحب فرخندہ راے مجد الدین | کہ بیخ اجر نشاند و بناے خیر نہاد
نگویمت بہ تکلف فلان مجد و دولت و دین | سپہر مجد و معالی جہانِ دانش و داد
تو آں برادر صاحبدلی کہ مادر دہر | بہ سالہا چو تو فرزند نیکبخت نزاد
بہ روزگار تو ایام دست فتنہ بہ بست | بہ یمن تو در اقبال بر جہاں بکشاد
دلیل آنکہ ترا از خدا اے نیک آید | بس ست خلقِ جہانرا کہ از تو نیک افتاد
یکے دعا کنمت بے رعونت از سرِ صدق | خدات در نفس آخریں بیامرزاد
تو ہم زبان کنی گر بصدقِ دل گوئی | کہ آفرین خدا بر روان سعدی باد

ایک ترجیع بند کے کچھ اشعار بھی جو کہ شیخ نے سعد[1] بن ابوبکر کے مرثیہ میں لکھے ہیں اور جو کلیات میں غلطی سے امیر فخر الدین ابوبکر کے نام پر

[1] امیر فخر الدین ابوبکر اتابک ابوبکر کے امراے نامدار میں سے تھا جو اونی درجہ سے منصب امارت ملکہ شائستگی ملک تک پہنچا تھا اور سعد ابوبکر اتابک کا بیٹا تھا جس زمانہ میں ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کیا تھا ابوبکر نے اپنے بیٹے سعد ابوبکر کو اظہار دوستی و خیرخواہی کے لئے بغداد میں بھیجا تھا جب وہاں سے باعزاز تمام رخصت ہوا۔ تو راہ میں باپ کے مرنے کی خبر سُنی جس سے اَور ولی عہدوں کی طرح اُس کو خوش ہونا چاہیئے تھا مگر اُس کو اِس خبر سے ایسا صدمہ ہوا کہ راہ ہی میں سخت بیمار ہوگیا اور رستے ہی میں باپ کی وفات سے بارہ روز بعد مرگیا۔ اُس کی سُناونی جب شیراز میں آئی۔ تو شیخ نے یہ مرثیہ لکھا ہے جیسا کہ ترجیع کے شعر سے ظاہر ہے۔ سعد کے بعد اُس کا بیٹا اتابک محمد مظفر اُس کا جانشین ہوا ❊ ۱۲

لکھدیا گیا ہے بطور نمونہ کے یہاں نقل کیئے جاتے ہیں ۔

عزیزان را دل از ہجر تو خون ست — دلِ خویشان نمے دانم کہ چون ست
عنانِ گریہ چون شاید گرفتن — کہ از دستِ شکیبائی برون ست
مگر شاہنشہ اندر قلبِ لشکر — نمے آید کہ رایت سرنگون ست
شکیبائی مجو از جانِ مہجور — کہ یار از طاقتِ مسکین فزون ست
سکون در آتشِ سوزندہ گفتم — نشاید کرد۔ و دوران ہم سکون ست
کہ دُنیا صاحبے بدعہد و خونخوار — زمانہ مادرے بے مہر و دون ست
نہ اکنون ست بر ما جورِ ایام — کہ از دورانِ آدم تا کنون ست

نمی دانم حدیثِ نامہ چون ست
ہمی بینم کہ عنوانش بخون ست

بُزرگان چشم و دل در انتظارند — عزیزان وقت و ساعت مے شمارند
فلانان دُرّ و گوہر مے فشانند — کنیزان دست و ساعد مے نگارند
ملک خان و مشاق و بدر و ترخان — بر ہوارانِ تازی بر سوارند
کہ شاہنشاہِ عادل سعد بوبکر — بہ ایوانِ شہنشاہی در آرند
حرم شادی کنان بر طاق و ایوان — کہ مروارید بر تاجش ببارند
زمین مے گفت عیشے خوش گزاریم — از آن پس آسمان گفت از گزارند
اُمیدِ تاج و تختِ خسروی بود — ازین غافل کہ تابوتش در آرند
چہ شد پاکیزہ رُویانِ حرم را — کہ بر سر کاہ و بر زیور غبار اند
نشاید پارہ کردن زیور و وسے — کہ مرقُوم تختِ امرِ کردگارند

ولیکن با چنیں داغِ جگر سوز | نمی شاید که فریادے ندارند
بلے شاید که مهجوراں بگریند | روا باشد که مظلومان بزارند

نمی دانم حدیثِ نامه چون ست
همی بینم که عنوانش بخون ست

پس از مرگِ جوانان گل مماناد | پس از گل در چمن بلبل مخواناد
کس اندر زندگانی قیمتِ دوست | نداند - کس چنیں قیمت مداناد
سر آمد روزگارِ سعدِ بوبکر | خداوندش برحمت در رساناد
بتلخی رفت از دنیاے شیریں | زلالِ کام در حلقش چکاناد
جزاے مرده رفتن در غریبی | شراب از دستِ پیغمبر ستاناد
دریں گیتی مظفر شاه عادل | محمد نام بر وارثش بماناد
سعادت پرتوِ نیکاں دهادش | بخوے صالحانش پروراناد
روانِ سعد را با جانِ بوبکر | به اوجِ روح و راحت گستراناد
بکامِ دوستان و بختِ فیروز | بسے دوران دیگر بگذراناد

نمی دانم حدیثِ نامه چون ست
همی بینم که عنوانش بخون ست

صاحبیہ

یہ مجموعہ شیخ کے متفرق اشعار کا سو صفحے کے قریب ہے جسمیں قطعہ۔ رباعی۔ فرد۔ ملمع۔ مثنوی وغیرہ جمع کی گئی ہیں۔ چونکہ شیخ کے ساتھ خواجہ شمس الدین حسین صاحب دیوان کو کمال خلوص اور عقیدت تھی اسلئے شیخ نے اس مجموعہ کا نام صاحبیہ رکھا ہے۔

ان اشعار میں کوئی نئی خصوصیت نہیں ہے جسکا ذکر کیا جائے بیشتر اشعار نصیحت و پند ہیں اور کسیقدر حسن و عشق کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ چند قطعے اور رباعیاں جو سرسری نظر میں اچھی معلوم ہوئیں نقل کی جاتی ہیں۔

قطعات

تفنن بیان

ناکسان را فزون شود تعظیم | گرچہ نارا بطبع بد گویند
چوں دو کس شود کنند بزرگ | گو بدا ہمہ عیب ہا من ہمی گویند

خصائص حیوان

ہیچگہ شکایت نہ ایم از کسے نہ گفتند | نہ بیژنم کہ چہ برگشتہ حالی و مسکینم
نہ از شایانہ چو حرف پردہ قلم چو در ہمدان | قناعتم ہمہ تن و بردباری آئینم
گر چو خار نہ خوردم ورنہ میروم آزاد | نہ چوں آدمیاں ز تخت ہمناک نشینم
مرا نہ برگ زمستان نہ پیش تابستان | کفایت است زر اد و پستین پارینم

ز دور ریاضت و خلوت مقام میسازم | که جایگاه کلوخ ست و سنگ بالینم
بہ لقمۂ کہ تناول کنم ز دست کسے | رواست گر بزنند بعد ازاں بہ ترو بینم
چو گربہ در بدر بایم ز دست مردم چیز | در افتادہ بود ریزہ ریزہ بر چینم
بجاے من کہ نشنید کہ در مقام رضا | برابرست گلستان و تلِ سرگینم
مرا کہ سیرت ازیں جنس و خوبدیں صفت ست | چہ کردہ ام کہ سزاوار ننگ و نفرینم
جواب داد کزیں بیش نعتِ خویش مگو | کہ خیرہ گشت ز وصفت زبانِ تحسینم
ہمیں دو خصلت ملعون کفایتت کہ ترا | غریب دشمن و مردار خوار مے بینم

ذاتِ بے مثلش

نظر کردم بہ چشم راے و تدبیر | ندیدم بہ ز خاموشی خصالے
نگویم لب بہ بند و دیدہ بر دوز | ولیکن ہر مقامے را مقالے
زمانے بحثِ علم و درس و تنزیل | کہ باشد نفسِ انساں را کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات | کہ خاطر را بود دفع ملالے
خدا ایست آنکہ ذاتِ بے مثالش | نگردد ہرگز از حالے بحالے

بمردی کای نعم

رحم اللہ معشر الماضین | کہ بہ مردی قدم سپردندے
راحتِ نفسِ بندگان خداے | راحتِ جان خود شمردندے
آں عزیزاں چو زندہ می نشوند | کاش این ناکساں بمردندے

نجات از نقصان

بس دستِ دعا بر آسماں بود | تا پاے بر آمدت بسنگے

اے گرگ نہ گفتمت کہ روزے | تا گہ بہ سر افتدت پلنگے

حقوق پدران

اے طفل کہ دفع مگس از خود نتوانی | ہرچند کہ بالغ شدی آخر نہ ہمانی
شکرانۂ زور آوری روز جوانی | آنست کہ قدر پدر پیر بدانی

شان رزاقی

صانع نقش بند بے مانند | کہ ہمہ نقش او نکو آید
رزق طائر نہاد در پر و بال | کہ بہر طعمۂ فرو آید
روزی عنکبوت را بہ مگس | پر دہد تا بہ نزد او آید

مال یتیمان

الحق اُمنائے مال ایتام | ہیچوں تو حلال زادہ بایند
ہرگز زن و مرد کفر و اسلام | نفس از تو پلید تر نہ زایند
طفلان ترا پدر بمیر او | تا جوز وصی بیاز مایند
اطفال عزیز ناز پرورد | از دست تو دست بر خدایند

ظالم خود را دروغ

اسیر با عسل از دست خلق می نخورد | کہ زہر در قدح انگبین تواند بود
عجب کہ در عسل از زہر میکند پرہیز | حذر نمیکند از تیر آہ زہر آلود

ترحم بر بیوگان

شنیدم کہ بیوہ زنے در دمند | ہمے گفت و رُخ بر زمین مے نہاد
ہر آں کد خدا را کہ بر بیوہ زن | ترحم نباشد زنش بیوہ باد

هر بد که بخود نه پسندی	با کس مکن اے برادر من
گر مادرِ خویش دوست داری	دشنام بده به مادرِ من

مقابلت نکند با حجر به پیشانی	مگر کسے که تهوّر کند بنادانی
کس این خطا نه پسندد که دفعِ دشمنِ خود	توانی و نکنی یا کنی و نتوانی

حکایت

شنیده ام که فقیهے به دشتبانی گفت	که هیچ خربزه داری رسیده گفت آرے
ازیں طرف دو به دانگے ۔ گر اختیار کنی	وزاں چهار به دانگے قیاس کن بارے
سوال کرد که چندیں تفاوت از پے چیست	که فرق نیست میانِ دو نوع بسیارے
بگفت از آنچه تو بینی حلال و ملکِ من ست	نیامده ست بدستم بوجه آزارے
وزاں دگر پسرانم بغارت ۔ آورده اند	حرام را بنود نزد شرع مقدارے
فقیه گفت ۔ حکایت دراز خواهی کرد	ازیں حرامترت هست صد به دینارے

تا سگاں را وجوه پیدا نیست	شفق دهریاں یک دگر اند
لقمهٔ درمیانِ شاں انداز	که تهی گاه یکدگر بدرند

رباعیات

شب نیست که چشمم آرزومند تو نیست	وین جاں بلب رسیده دربند تو نیست
گر تو دگرے بجاے من بگزینی	من عهدِ تو نشکنم که مانندِ تو نیست

ماہی امید عمرم از شست برفت	بے فائدہ روزم چو شب مست برفت
عمرے کہ از و دمے بجانے ارزد	افسوس کہ رائگانم از دست برفت

از بس کہ بیازرد دل دشمن و دوست	گوئی گنجاہ مسخ کردندش پوست
وقتے غم او بر دلہا بودے	اکنوں ہمہ غمہائے جہاں بر دل اوست

گویند ہوائے فصل آذار خوش ست	بوئے گل و بانگ مرغ گلزار خوش ست
ابریشم زیر و نالۂ زار خوش ست	اے بے خبراں ایں ہمہ با یار خوش ست

گویند مرو در پئے آں سرو بلند	انگشت نمائے خلق بودن تا چند
بے فائدہ پندم مدہ اے دانشمند	من چوں نروم کہ میبرندم بہ کمند

آہو برہ را کہ شیر در پے باشد	بیچارہ چہ اعتماد بر وے باشد
ایں یخ در آب چند بتواند بود	ویں برف در آفتاب تا کے باشد

آنرا کہ نظر بروے ہر کس باشد	در دیدۂ صاحب نظراں خس باشد
قاضی بدو شاہد بدہد فتوئ شرع	در مذہب عشق شاہدے بس باشد

مرداں ہمہ عمر پارہ بر دوختہ اند	اقولتے بہزار حیلہ اندوختہ اند

فردائے قیامت گناہ ایشاں را   باشد کہ نہ سوزند کہ تو سوختہ اند

تشبیه

با دوست بگرمابہ درم خلوت بود   واں روئے نگینش گل حمام آلود
گفتا دگر ایں روے کسے دارد دوست؟   گفتم بگل آفتاب نتواں اندود

خودبینی

چون صورت خویشتن در آئینہ بدید   وآں کام و دہان و لب و دنداں بگزید
میگفت چنانکہ میتوانست شنید   بس جاں بلب آمد کہ بدیں لب نرسید

شب تنهائی

امشب نہ بیاض روز بر مے آید   نہ نالۂ مرغان سحر مے آید
بیدار نشستہ ام نظر بر سر کوہ   تا صبح کے از سنگ بدر مے آید

فصل خزان

وقتست کہ چشم فتنہ خوابش ببرد   باد از رخ گل حسن شبابش ببرد
گل وقت رسیدن آب عطار ببرد   عطار بوقت رفتن آبش ببرد

فصل بهار

وقت گل و روز شادمانی آمد   ہنگام نشاط و کامرانی آمد
آں شد کہ بسر ما نتوانی آمد   سرما شد و وقت مہربانی آمد

[illegible]

ما چاکر آنیم کہ دل بربایند   یا دل بکسے دہد کہ جاں آساید
آنکس کہ نہ عاشق و نہ معشوق کسست   در ملک خدا اگر نباشد شاید

آن گل که هنوز نو بدشت آمده بود — نشگفته تمام باد بهرش بر بود
بیچاره بسے امید در خاطر داشت — امید دراز و عمر کوتاه چه سود

من دوش قضا را و قدر گشتم بود — تاریخ نشخدا این تو در شتم بود
دیدم که همے گزم لب شیرینت — بیدار چو گشتم سر انگشتم بود

چون خیل تو صد باشد و خصم تو هزار — خود را به هلاک میسپاری زنهار
تا بتوانی بر آور از خصم دمار — چون جنگ ندانی آشتی عیب مدار

نامردم اگر زنم سر از مهر تو باز . — خواهی بکشتم بجور و خواهی بنواز
ور بگریزم ز دستت اے مایۂ ناز — هر جا که روم پیش تو مے آیم باز

تا مهر نکنم در مهرت اے مایۂ ناز — کوته نکنم ز دامنت دست نیاز
هر چند که راهم بتو دور است و دراز — در راه بمیرم ار نگردم ز تو باز

گر بے خبران و غیب گویان از پس — منسوب کنندم بهوا و بهوس
آخر نه گناه است که من کردم و بس — منظور ملیح دوست دارد همه کس

چون زهرۂ شیران بدرد نعرۂ کوس — بر باد مده جان گرامی به فسوس

با آنکه خصومت نتوان کرد - بباز | دستے کہ بقوت نتواں برد ببوس

یا ہمچو ہمائے برمن افگن پرِ خویش | تا بندگیت کنم بجان و سرِ خویش
ور لایقِ خدمتم ندانی برِ خویش | گومن سرِ خویش گیرم و کشورِ خویش

ہمسایہ کہ میلِ طبع باشد سویش | فردوس بریں بود سرا در کویش
واں را کہ نخواہی کہ ببینی رویش | دوزخ باشد بہشت در پہلویش

ہر سرو قدے کہ بگذرد در نظرم | در ہیأت او خیرہ بماند بصرم
چون بن نتوانم کہ جواں گردم باز | آخر کم ازآنکہ در جواناں نگرم

خود را بہ مقامِ شیر مے دانستم | چوں خصم آمد بہ روبہے مانستم
گفتم من وصبر اگر بود روزِ فراق | چوں واقعہ اوفتاد نتوانستم

شبہا ز ہمہ خلق نہاں مے گریم | چشم از غمِ دل بر آسماں می گریم
طفل از غمِ مرغ رفتہ چوں گریہ کند | بر عمرِ گذشتہ ہمچناں مے گریم

چوں ما و شما اقارب یکدگریم | زاں بنود کہ پردۂ ہم ندریم
اے خواجہ تو عیب من مکن تا من نیز | عیب تو نگویم کہ یک از یک بتریم

گر بر رگِ جان ز شست آید تیرم | چه خوشتر از آنکه پیشِ دستت میرم
دل با تو خصومت آرزو میکندم | تا صلح کنی و در کنارت گیرم

می آئی و لطف و کرمت می بینم | و آسایشِ جاں در قدمت مے بینم
واں وقت کہ غائبی ہمت می بینم | ہر جا کہ نگہ مے کنمت مے بینم

گفتم کہ دگر چشم بہ دلبر نہ کنم | صوفی شوم و گوش بہ منکر نہ کنم
دیدم کہ خلافِ طبعِ موزون منست | توبت کردم کہ توبہ دیگر نہ کنم

ہر راز فلک بطرفِ بام آوردن | وز روم کلیسیا بشام آوردن
در وقت سحر نمازِ شام آوردن | اینتواں نتواں ترا بدام آوردن

نہ سرو تواں گفت نہ خورشید و نہ ماہ | آہ از تو کہ در وصف نمی آئی آہ
ہر کس برہے میرود اندر طلبت | گر رہ بتو بودے نہ بُدے اینہمہ راہ

اے راہروان راگذر از کوی تو نہ | با بیخبر از عشق و گذر سوے تو نہ
ہر تشنہ کہ از دست تو بستاند آب | از دستِ تو سیر گردد از روے تو نہ

اے یار کجائی کہ در آغوش نۂ | و امشب برِ ما نشستہ چوں دوش نۂ

اے سرو بلند و راحت جسم و روان　　هر چند که غائبی فراموش نهٔ

اے کاج نه کردمے نگاه از دیده　　بر دل نه زدے عشق تو بیداد از دیده
تقصیر ز دل بود و گناه از دیده　　آه از دل و صد هزار آه از دیده

روزے دو سه شد که بنده ننواختهٔ　　و اندیشه به ذکر ما نه پرداختهٔ
زاں مے ترسم که دشمناں اندیشید　　کز چشم عنایتم بینداختهٔ

گفتم که کنم توبه ز صاحب نظری　　باشد که بلاے عشق گردد سپری
چندانکه نگه مے کنم اے رشک پری　　بار دومیں ز اولیں خوبتری

گویند که دوش شحنگانِ تتری　　دزدے بگرفتند بصد حیله گری
امروز به آویختنش مے بردند　　میگفت رها کن که گریبان بدری

گیرم که به فتواے خردمندی و رائے　　از وایهٔ شرع بر دل نهم پاے
با میل طبیعت مے کند چه تواں کرد　　عیبیست که در من آفریده خداے

مفردات

دانی چه گفته اند بنی عوف در عرب — نسل بریده به که موالید بی ادب

تو آتش به نی در زن و درگذر — که نه خشک در بیشه ماند نه تر

مروت نباشد بر افتاده زور — برو مرغ دون دانه از پیش مور

خواهی که بطبعت همه کس دارد دوست — با هر که در او فتی چنان باش که اوست

گر راه نمائی همه عالم راه است — ور دست نگیری همه عالم چاه است

نهالی که سی سال گردد درخت — ز بیخش بر آرد یکی باد سخت

اگر ثواب سر هنگان هم از در گر بر انندت — ازان بهتر که در پهلوی محبوبی نشانندت

سلطان چو بمنزل گدایان آید — گر بر سر بوریا نشیند شاید

گر ز هفت آسمان گزند آید — همه بر عضو دردمند آید

اگر دندان نباشد نان توان خورد — مصیبت آن بود کت نان نه باشد

منعم که نظر بحال درویش کند — چندانکه کرم کند طمع بیش کند

تواضع گرچه محمود است و فضل بیکران دارد — نشاید کرد بیش از حد که هیبت را زیان دارد

گفتم که بر آید آبی از چاه امید — افسوس که دلو نیز در چاه افتاد

بشکر آنکه تو در خانهٔ واهلت پیش — نظر دریغ مدار از مسافر و درویش

کوته نظران را نبود جز غم خویش — صاحب نظران را غم بیگانه و خویش

گر ملند ستمگی دهد دشنام — به که سا کن دهی جواب سلام

بشنو که من نصیحت پیران شنوده ام　　بیش از تو خلق دیده پیش از تو بوده ام

از بهر دل کسے بدست آوردن　　مطبوع نباشد دگرے آزردن

چو بد گفتی مباش ایمن ز بد گو　　که بد را کس نخواهد گفت نیکو

صاحبدل و نیک سیرت و علامه　　گو کفش دریده باش و خلقان جامه

کرم بجاے فروماندگان چو بتوانی　　مروت ست نه چندانکه خود فرومانی

مردی نه بقوت ست و شمشیر زنی　　آنست که ظلمے کر توانی نه کنی

تو با ما روز و شب در باغ انسی　　اخلاف ست اینکه طول العهد ینسی

پاے ملخ نزد سلیمان بردن　　عیب ست ولیکن هنرست از مورے

من سخن راست نوشتم تو اگر راست نخوانی　　جرم کاتب نباشد چو تو شطرنج ندانی

کتبت لیبقی الذکر فی امم بعدی

فیا ذا الجلال اغفر لکاتبه السعدی

مطائبات و ہزلیات و مضحکات

شیخ کے کلیات کا سب سے اخیر حصہ مجموعۂ ہزلیات ہے جو تیس بتیس صفحے سے زیادہ نہ ہوگا - یہ مجموعہ فی الحقیقت شیخ کے عارض کمال پر ایک نہایت بدنما سہ ہے جو شیخ کی شان سے نہایت بعید اور اُس کے فضل و کمال و بزرگی کے بالکل منافی ہے - اس میں زیادہ تر نظم اور کسیقدر نثر ہے اور کہیں کہیں عربی عبارت بھی ہے - حضرت نے اس حصہ میں اپنی شیخوخت اور تقدس کو بالائے طاق رکھکر خوب آزادی اور بیباکی سے دل کھولکر فحش اور ہزل کی داد دی ہے جسپر ہرگز یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ یہ پوچ اور لغو اور بیہودہ کلام اُسی شخص کا ہے جس کے نتایج افکار سے گلستان اور بوستان جیسی بے بہا کتابیں موجود ہیں - آدمی کا خطاوار اور ناقص ہونا یہی اُس کے انسان ہونے کی علامت ہے - اور اُس کے اقوال و افعال کا تفاوت اور اختلاف اور اُن کا ہمیشہ ایک ضابطہ اور ایک قانون کے موافق سرزد نہ ہونا یہی وہ چیز ہے جو اُس کو دیگر حیوانات سے تمیز دیتی ہے انسان کے خیالات کو ایک نادان بچہ کی حرکتوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس کی ایک حرکت پر بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہتا ہے اور دوسری حرکت پر حد سے زیادہ غصہ آتا ہے - اس میں شک نہیں کہ شیخ کی طبیعت پر ظرافت

اور مزاح غالب تھا اور جب یہ صفت حد سے گزر جاتی ہے تو اُس سے فحش اور ہزل پیدا ہوتا ہے - مگر شیخ نے اِس مجموعہ کے شروع میں چند سطریں معذرت آمیز عربی عبارت میں لکھی ہیں جو قابل لحاظ ہیں وہ لکھتا ہے کہ "اَلْزَمَنِیْ بَعْضُ اَبْنَاءِ الْمُلُوْکِ اَنْ اُصَنِّفَ لَهٗ کِتَابًا فِی الْهَزْلِ عَلٰی طَرِیْقِ السُّوْزَنِیْ فَلَمْ اُجِبْهُ فَهَدَّدَنِیْ بِالْقَتْلِ فَلِاَجْلِ ذٰلِکَ اَجَبْتُ اَمْرَهٗ وَ اَنْشَدْتُ هٰذِهِ الْاَبْیَاتَ وَ اَنَا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ" یعنی ایک بادشاہزادہ نے مجھکو اِس بات پر مجبور کیا کہ میں اُس کے لئے ایک کتاب حکیم سوزنی کی روش پر ہزل میں لکھوں - میں نے نہ مانا اِسپر اُسنے مجھکو قتل کی دھمکی دی - اِسلئے ماننا پڑا اور یہ اشعار لکھے اور میں خدائے بزرگ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں -

شیخ کا عذر جہاں تک ہماری رائے ناقص میں آتا ہے بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے - شیخ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ہمیشہ سیر و سفر میں رہتا تھا - تاتار سے لیکر روم و مصر و حبش تک اُس کی جولان گاہ تھی اُسکی شاعری اور نکتہ سنجی کا شہرہ اُس کی زندگی ہی میں دُور دُور پہنچ گیا تھا - مسلمان امیرزادوں اور بادشاہوں کی صحبتوں میں لہو ولعب اور تمسخر واستہزا کی بُنیاد پڑ چکی تھی - پس اگر کسی نالائق بادشاہزادے نے شیخ کی ظرافت اور بذلہ سنجی کا شہرہ سُنکر اِس خیال سے کہ ہمیشہ گرمی صحبت کے لئے ایک مجموعۂ ہزل و فحش موجود رہے شیخ کو اِن ہفوات کے لکھنے پر مجبور کیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے - اور چونکہ اِس

مجموعہ میں صریح فحش اور علانیہ پھکڑ کے سوا بامزہ اور لطیف خیالات جیسے کہ شیخ کے کلام کی عام خاصیت ہے بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ تمام ہزلیات دل کی اُپج اور طبیعت کی اُمنگ سے نہیں بلکہ محض نفرت و کراہت کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

ایران میں ہزل و فحش کی شاعری دورۂ غزنویہ کے شعرا سے برابر چلی آتی تھی اور یہ طریقہ اسقدر عام اور بے عیب ہو گیا تھا کہ افاضل شعرا کی عظمت اور بزرگی میں اس سے کچھ فرق نہ آتا تھا۔ اکثر ہاجی اور ہزال حکیم کے لقب سے ملقب ہوتے تھے اور اب تک ہوتے ہیں جیسے حکیم انوری۔ حکیم خاقانی۔ حکیم شفائی۔ حکیم قاآنی وغیرہ وغیرہ۔ سوزنی بھی جو چھٹی صدی کا شاعر ہے اور جس کا ذکر شیخ کی مذکورہ بالا عبارت میں ہے حکیم سوزنی کہلاتا تھا۔ اس کا ہزل اور فحش انتہا درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ اسنے حکیم سنائی کی بہت سی ہجویں لکھی ہیں اور حکیم صاحب نے بھی باایںہمہ مشیخت و تقدس تنگ آکر اُسکے جواب میں ایک ایسی جامع و مانع گالی تصنیف فرمائی ہے جو سوزنی کی عمر بھر کی گالیوں اور پھکڑ کا جواب ہو سکتی ہے۔ حکیم ابوالعلائی گنجوی جو منوچہر شروان شاہ کے عہد میں پایۂ تخت کا ملک الشعرا تھا۔ باوجودیکہ وہ حکیم خاقانی کا مربّی اور خسر تھا اُس کے اور خاقانی کے باہم ایسی رکیک اور نالائق ہجو بازی ہوتی تھی جسکی تصریح کرنے سے شرم آتی

ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بُرائی سوسائٹی میں اسقدر عام اور بے عیب ہو جائے اُس سے بالکل پاک اور مُبّرا رہنا بشر کی معمولی طاقت سے باہر ہے اور اُس کے ارتکاب پر ایسا سخت مواخذہ نہیں کیا جا سکتا جس کا کہ وہ عیب فی نفسہٖ مستحق ہے۔

ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے عنفوانِ شباب میں جو کہ شوخی اور بیباکی کا زمانہ ہے کسی موقع پر یہ خرافات بھی لکھ دی ہوگی۔ اور ایسا کم و بیش ہر شخص سے ظہور میں آتا ہے۔ مگر کوئی شخص ایسے بیہودہ اور لغو کلام کو اپنی تصنیفات میں شامل کر کے اپنی طرف منسوب اور اپنے نام سے شائع نہیں کرنا چاہتا۔ شیخ نے بھی یقیناً ایسا ہرگز نہ چاہا ہوگا مگر چونکہ وہ زمرۂ مشائخ و عُرفا میں سے گنا جاتا تھا اور معتقدین کے نزدیک اُس کا ہزل بھی انوار و برکات سے خالی نہ تھا اِسلئے کسی بزرگوار نے اُس کی وفات کے بعد اِس ناشدنی مجموعہ کو بھی تبرکاً و تیمناً کلّیات میں داخل کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصّہ گلستاں کے مُرتب ہونے سے پہلے لکھا جا چکا تھا کیونکہ اِس کے چند اشعار جن میں زیادہ ہزل نہیں ہے شیخ نے گلستان میں اپنے اپنے موقع پر نقل کئے ہیں۔

ہمکو بہت تجسّس سے چند رباعیاں اور قطعے اِس مجموعہ میں ایسے ملے ہیں جو فحش سے پاک ہیں سو وُہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

رباعیات

آن عهد بیاد داری و دولت و داد — کز عاشق بیچاره نمی کردی یاد
آنگه بگریختی که کس چون تو نبود — وامروز بیامدی که کس چون تو مباد

آن ماه که گفتی ملک رحمان ست — این بار اگرش نگه کنی شیطان ست
روئے که چو آتش زمستان خوش بود — امروز چو پوستین به تابستان ست

قطعات

چو خویشتن نتواند که مے خورد قاضی — ضرورت ست که بر دیگران بگیرد سخت
که گفت پیره زن از میوه میکند پرهیز — دروغ گفت۔ که دستش نمیرسد به درخت

مردکے غرقه بود در جیحون — گز سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زارے نالید — کاے دریغا کلاه و دستارم

حریف عمر بسر برده در فسوق و فجور — بوقت مرگ پشیمان همی خورد سوگند
که توبه کردم و دیگر گنه نخواهم کرد — تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

عربی قصاید اور مقطعات

کلیات شیخ میں بیس صفحہ کے قریب قصیدے اور قطعے بھی شامل ہیں اور ان کے سوا اُسکے ملمعات میں عربی اشعار اور مصرعے کثرت سے موجود ہیں۔ گلستان میں بھی جیسا کہ اُسنے خاتمہ میں تصریح کی ہے تقریباً تمام عربی اشعار اُسی کے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ اُس کی عمر کا ایک بڑا حصہ دیار عرب میں بسر ہوا تھا اور عربی زبان بمنزلہ مادری زبان کے ہو گئی تھی اُسکے تمام فارسی اور عربی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علم کے بعد اُسنے زیادہ تر اپنی توجہ دینیات اور تصوف اور علم ادب میں مصروف کی تھی۔ گو اُس کا عربی کلام بہت تھوڑا ہے مگر جسقدر ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مشاق اور ماہر ادیب کا ہونا چاہئے باانہمہ وہ عربی شعر میں شاعری کا ادعا نہیں کرتا چنانچہ بغداد کے مرثیہ میں لکھتا ہے۔

وَبالشعرِ اَیمُ اللہِ لَسْتُ بمُدَّعٍ ولوکان عندی ما ببابلَ من سِحرٍ	بخدا اگر میں شاعری کا دعوی نہیں کرتا اگرچہ میرے کلام میں وہ جادو موجود ہے جو بابل میں موجود تھا
هنالك نقّادونَ علماً وخبرةً ومُنتقو القولِ الجميلِ من الهجرِ	یہاں علم اور واقفیت کی رو سے پرکھنے والے اور عمدہ کلام کو بُرے کلام میں سے

	چھانٹنے والے موجود ہیں۔
جرت عبراتي فوق خدي كآبة فانشأت هذا في تصبّر ما جرى	سوزِ دل کے سبب میرے آنسو میرے [illegible] پر بہتے [illegible] ہیں۔ [illegible] بیان نہیں کیا۔
ولو سيقاني ... [illegible] قدرهم لما حسنت مني مجاوزة القدر	اگر زمانہ [illegible] کرتے تو البتہ [illegible] زیبا نہ تھا۔

بہرحال اُسکا عربی کلام جسقدر ہے [illegible] شیخ کی شاعری کا رتبہ [illegible] ہے۔ ہم اُسکے ایک طولانی قصیدہ میں سے جو کہ اُسنے زوالِ بغداد پر لکھا ہے کچھ اشعار بطور نمونہ کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

سبيت بجفني المدامع لا تجري فلما طغى الماء استطال على السكر	میں نے اپنی پلکوں میں آنسوؤں کو روکا تھا کہ بہنے نہ پائیں پر جب پانی نے طغیانی کی تو اُس بند کو توڑ ڈالا۔
نسيم صبا بغداد بعد خرابها تمنيت لو كانت تمرّ على قبري	کاش ایسا ہوتا کہ بغداد کی تباہی کے بعد اُسکی ہوا کا جھونکا میری قبر پر گزرتا۔
لأنّ هلاك النفس عند أولي النهى أحبّ لهم من عيش منقبض الصدر	کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک مرجانا تنگدل جینے سے بہتر ہے۔

زجرت طبیباً حسّ نبضی مداویاً الیک فما شکوای من مرضٍ یبرئ	میں نے طبیب کو جبکہ اُس نے علاج کے لئے میری نبض کو چھوا جھڑک دیا کہ جا اپنا کام کر مجھکو ایسے مرض کی شکایت نہیں جو اچھا ہو سکے۔
لزمت اصطباراً حیث کنت مفارقاً وھذا فراقٌ لا یعالج بالصبر	میں نے ہمیشہ احباب کی جدائی میں صبر اختیار کیا ہے مگر یہ ایسی جدائی ہے جسکا علاج صبر سے ممکن نہیں۔
ولا تسألن عما جری یوم حصرھم وذلک مما لیس یدخل فی حصر	نہ پوچھو جو حال بنی عباس کی قید کے دن گزرا یہ وہ حال ہے جو قید بیان میں نہیں آسکتا۔
اُدیرت کؤوس الموت حتی کأنہ رؤوس الاساری تحرکن من السکر	شراب مرگ کے جام گردش میں لائے گئے یہاں تک کہ قیدی کشتوں کے سر اترتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا نشے میں جنبش کر رہے ہیں۔
بکت لجدر المستنصریۃ ندبۃً علی العلماء الراسخین ذوی الحجر	علمائے راسخین پر جو کہ اصحاب عقل و دانش تھے مدرسہ مستنصریہ کی دیواریں زار زار رو رہی ہیں۔
محابرھم تبکی بعدھم بسوادھا وبعض قلوب الناس املک من حبر	اُن کے بعد دواتین اپنی سیاہی کے آنسوؤں سے روتی ہیں مگر بعض لوگوں کے

دل دوات سے زیادہ سیاہ ہیں۔

نوائب دهرٍ ليتني متُّ قبلها
ولم أرَ عدوان السفيه على الحبر

یہ زمانہ کے سخت حادثے ہیں کاش میں ان سے پہلے مرجاتا اور جاہلوں کا ظلم دانشمندوں پر نہ دیکھتا۔

وقفتُ بعبّادان أرقبُ دجلةً
كمثل دمٍ قانٍ تسيلُ إلى البحرِ

میں نے شہر عبادان میں ٹھہر کر دجلہ کے پانی کو دیکھا کہ نکتر خون کی مانند سمندر کی طرف بہتا تھا۔

وفائضُ دمعي في مصيبةِ واسطٍ
يزيدُ على مدّ البحيرة والجزْر

میرے آنسو جو شہر واسط کی مصیبت میں جاری ہیں خلیج فارس کے مد و جزر کو اور بڑھا دیتے ہیں۔

وهبْ أنّ دار المُلك ترجع عامرًا
ويُغسل وجهُ العارفين عن العفرِ

فرض کرو کہ دار الخلافہ پھر آباد ہو اور علماء کے چہرے غبار ذلت سے پاک کئے جائیں۔

فأين بنو العبّاس مفتخرُ الورى
ذوو الخلقِ المرضيّ والغُرر الزُّهرِ

لیکن بنی عباس جنسے عالم کو فخر تھا جنکے اخلاق برگزیدہ اور پیشانیاں نورانی تھیں کہاں سے آئیں گی۔

غدا سمرًا بين الأنام حديثُهمْ
وذا سمرٌ يُدمي المسامعَ كالسُّمرِ

ان کا ذکر اب دنیا میں ایک افسانہ ہو گیا اور یہ وہ افسانہ ہے جو کانوں کو برچھیوں کی نوک کی طرح خون آلودہ کرتا ہے۔

وفی الخبر المروی دین محمد
یعود غریبا مثل مبتدأ الامر

حدیث میں آیا ہے کہ دین محمدی پھر غریب ہونے والا ہے جیسا کہ ابتدائی حال میں وہ غریب تھا۔

أأغرب من هذا یعود کما بدا
وسبی دار السلم فی بلد الکفر

کیا وہ اس حالت سے بھی زیادہ غریب ہونیوالا ہے کہ تمام دارالاسلام کفر کے آتے ہی غریب ہو گیا۔

أتذکر فی اعلی المنابر خطبة
ومستعصم بالله لم یک فی الذکر

کیا منبروں پر خطبہ پڑھا جائیگا اور مستعصم باللہ کا اُسمیں ذکر نہوگا۔

ضفادع حول الماء تلعب فرحة
اصبر علی هذا ویونس فی القعر

کیا اسپر صبر ہو سکتا ہے کہ مینڈک پانی کے اِدھر اُدھر خوشی سے کھیلتے پھریں اور یونس پانی کی تہ میں ہو۔

تحیة مشتاق والف ترحم
علی الشهداء الطاهرین من الوزر

مشتاق کا سلام اور ہزاروں رحمتیں اُن شہیدوں پر جو گناہوں سے پاک تھے۔

هنیئا لهم کأس المنیة مترعا
وما فیه عند الله من عظم الاجر

موت کا لب بلب پیالہ اور جو کچھ کہ اُس میں خدا کی طرف سے اجر عظیم ہے اُنکو گوارا ہوجیو۔

علیهم سلام الله فی کل لیلة
بمقتل زوراء الی مطلع الفجر

ہمیشہ آٹھ پہر شام سے صبح تک زوراء کی قتلگاہ میں خدا کی رحمت نازل رہیو۔

ولیتَ صَماخی صُمّ قَبلَ استماعہ بھتکِ اساتیرِ المحارمِ فی الاسرِ	کاش ایسا ہوتا کہ قید میں محلوں کے بے پردہ ہونیکی خبر سُننے سے پہلے میرے کان بہرے ہوجاتے ۔
کانَّ صَباحَ الاسرِ یومُ قیامۃٍ علی امم شُعثٍ تُساق الی الحشرِ	قید کی صُبح گویا قیامت کا دن تھا کہ اُمتیں سر میں خاک ڈالے ہوئے میدان حشر کی طرف ہکائی جاتی تھیں ۔
وَمُستَصرِخٍ یَا لَلمُروۃِ فانصُروا ومن یُصرِخ العُصفورَ بینَ یدِ الصقرِ	بہت لوگ فریاد کرتے تھے کہ دہائی ہے مروت کی کوئی مدد کرو ۔ مگر باز کے پنجے میں چڑیا کی فریاد کو کون پہنچتا ہے ۔
یَسا قونَ سَوقَ المَعزِ فی کبدِ الفلا عزائزُ قومٍ لا یعوّدونَ بالزجرِ	جو لوگ زجر اور دھمکی سُننے کے عادی نہ تھے اُن کے حرم محترم صحرا میں بکریوں کی طرح ہکائے جاتے تھے ۔
حُلِبنَ سَبایا سافراتٍ وُجوہُھا کواعبُ لاتبرزنَ مِن خلَلِ الخدرِ	جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے چہرے باہر نکالتی تھیں اُن کو کھلے مُنہ اسیر کرکے لے گئے ۔
تقوّمُ وتخفونی المعاجرِ واللّویٰ وھَل یَختفی مَشیُ النواعمِ فی الوعرِ	وہ کھڑی ہوتی ہیں اور چادروں اور ٹیلوں کی ڈھلانوں میں مُنہ چھپاتی

ہیں مگر اُن گھٹن رستوں میں نازنینوں کی
چال کب چھپ سکتی ہے۔

لقد كان فكري قبل ذلك ما ترى
فأحدث أمر لا يحيط به فكري

اِس سے پہلے میری فکر جیسی تھی تو جانتا
ہے مگر ایک ایسا امرِ عظیم حادث
ہوا جو میرے فکر کے احاطہ سے
باہر ہے۔

وبين يدي صرف الزمان وحكمه
مغللة أيدي القياصر والحبر

زمانہ کی گردش اور حکومت کے سامنے
شہنشاہوں اور وراؤں کے ہاتھ
بندھے ہوئے ہیں۔

نعوذ بعفو الله من نار فتنة
تأجج من قطر البلاد إلى القطر

خدا کی پناہ ہے فتنہ کی اُس آگ سے جو
دُنیا کی ایک جانب سے دوسری جانب تک
بھڑکتی چلی گئی۔

بدا وتعالى من خراسان فتطل
فعاد ركاما لا يزول عن البدر

خُراسان سے ایک غبار نمودار ہو کر بلند ہوا
اور ایک گھنگھور گھٹا بنگئی جو چاند پر سے ہٹنے
والی نہ تھی۔

رعى الله إنسانا تيقظ بعدهم
لأن مصاب الزيد من جهة العمرو

خُدا حمایت کرے اُس شخص کی جو دولت
بنی عباس کے بعد خوابِ غفلت سے
بیدار ہو گیا کیونکہ زید کی مصیبت عمرو کے لئے
تازیانہ ہے۔

وسائرُ ملکٍ یقتفیہ زوالُہ
سِوی ملکوتِ القائمِ الصمدِ الوتر

خدائے بے نیاز و یگانہ کے ملک کے سوا ہر ملک اور سلطنت کے پیچھے اس کا زوال لگا ہوا ہے۔

اذا کان بعدَ الموتِ لا فرقَ بیننا
فلا تنظرنَّ الناسَ بالنظرِ الشزرِ

جبکہ مرنے کے بعد ہم سب میں کچھ فرق نہ رہیگا تو لوگوں کو تکبر کی نگاہ سے مت دیکھ۔

وجاریۃُ الدنیا نعومۃُ کفّھا
حسنۃٌ لکنّھا الکلبُ ذو الظفرِ

کتے کی طرح معشوقۂ دنیا کی ہتھیلیاں تو نرم نرم اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اُسکے ناخن تیز ہیں۔

ولو انّ ذا مالٍ من الموتِ خالیاً
لکان جدیراً بالتعاظمِ والکبرِ

اگر مال و دولت والا موت سے خالی ہوتا تو البتہ بڑائی اور تکبر کرنیکا مستحق تھا۔

ربحتَ الھدیٰ ان کنتَ عاملَ صالحٍ
وان لم تکن والعصرِ انّک لفی خسرٍ

اگر تو نے نیک عمل کئے تو ہدایت کا نفع اٹھا لیا ورنہ کچھ شک نہیں کہ تو ٹوٹے میں رہا۔

علی المرءِ عارٌ کثرۃُ المالِ بعدہٗ
وانک یا مغرورُ تجمعُ للفخرِ

مرنے کے بعد بہت سا مال چھوڑ جانا آدمی کے لئے ننگ کی بات ہے مگر اے غافل تو اُسے فخر کے لئے مال جمع کرتا ہے۔

اُسکا مذہب جیسا کہ خود اُسکے کلام سے ظاہر ہے تسنّن معلوم ہوتا ہے لیکن جس طرح اکثر صوفیہ کی نسبت تشیّع کا گمان کیا گیا ہے اُسکو بھی قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں شیعی لکھا ہے - ہم اُسکے کسی خاص مذہب کا ثبوت دیکر ایک ایسے شخص کو جو مقبول فریقین ہے ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود بنانا نہیں چاہتے بڑی بات یہ ہے کہ وُہ بے تعصّب تھا اور یہی اُس کے ناجی ہونے کی دلیل ہے -

اُسکو تذکرہ نویسوں نے اہل باطن اور صوفیّہ میں سے شمار کیا ہے اُسکے کلام سے بھی جا بجا یہی مُترشح ہوتا ہے کہ وُہ اِس رنگ میں ڈوبا ہوا تھا - بے شک وُہ صوفی بھی تھا اور واعظ بھی تھا مگر آج کل کے مشائخ اور واعظین کے بخلاف ایک نہایت بے تکلف - کھلا ڈُلا یار باش - ہنسوڑ - ظریف - ریا اور نمایش سے دُور سیدھا سادہ مُسلمان تھا - اُسکو آج کل کے حضرات کی طرح اپنے تئیں لوازم بشریت سے بالکل پاک ظاہر کرنا اور بہ تکلّف مُقدّس فرشتوں کی صورت میں جلوہ گر ہونا ہرگز نہ آتا تھا - وُہ شاعری میں اپنا جواب نرکھتا تھا مگر مشرق کے عام شعرا کی طرح حریص اور لالچی نہ تھا - اُس نے مثل ظہیر - رشید - خاقانی - اور انوری وغیرہم کے بادشاہوں کی مدّاحی اور امیروں کی بھٹئی کرنیکو اپنی وجہ معاش نہیں بنایا تھا - بااینہمہ وُہ اُمرا اور سلاطین سے ملتا بھی تھا اور اُن کی مدح میں قصیدے بھی لکھتا تھا اور جو کوئی عقیدت یا محبت

سے اسکی کچھ نذر کرتا تھا وہ لے بھی لیتا تھا۔ اُسکے عام مدحیہ قصائد دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ یہ قصیدے کس غرض سے لکھتا تھا زیادہ تر اُسکے قصیدے ایسے ہیں جنکو قصیدہ گوئی کے مشرقی اصول کی موافق بہت مشکل سے قصیدہ کہا جاسکتا ہے امیروں سے وہ اسلئے بھی زیادہ تر میل جول رکھتا تھا کہ اکثر اُسکی سفارش نے جیسا کہ گلستان کی بعض حکایتوں سے پایا جاتا ہے غریب آدمیوں کے کام نکل جاتے تھے۔ خودداری اور غیرت اُس میں ایسی تھی کہ نہایت ضرورت اور احتیاج کے وقت بھی وہ وضع کو ہاتھ سے ندیتا تھا جیسا کہ اسکندریہ کے قحط میں اُس سے ظہور میں آیا۔ خلقت کی خیرخواہی اور ہمدردی خدا تعالی نے اُسکی سرشت میں ودیعت کی تھی۔ اُسکے نصایح اور مواعظ ہرگز اسقدر مقبول نہ ہوتے اگر انسانی ہمدردی کا جوش اُسکے دل میں نہوتا اُسنے اپنی زبان اور قلم کو پند و نصیحت کے لئے وقف کردیا تھا اور حق بات کہنے سے خطرناک موقعوں پر بھی نہ چوکتا تھا۔ کوئی شخص کسی چیز میں کامل نہیں ہوسکتا۔ جب تک دو باتیں جمع نہوں ایک جوہر فطری۔ دوسرے زمانہ کے ایسے اتفاقات جو اُسکے جلا کا باعث ہوں۔ شیخ کی ذات میں جس قسم کی قابلیت تھی اُسی کے موافق اُس کو اتفاقات پیش آئے تھے۔ جس شہر میں وہ پیدا ہوا تھا وہ خود ایک مردم خیز خطہ تھا جہاں ہونہار بچوں کو خود بخود کسب کمال کی ترغیب ہونی چاہئے۔ یتیمی اور بے پدری اگرچہ اکثر صورتوں میں آوارگی اور ابتری کا سبب ہوتی ہے لیکن بسا اوقات

ایسی مجبوری اور بیکسی کی حالتیں غیرت مند اور جفاکش لڑکوں کے حق میں
ترقی اور رشد کا باعث ہوتی ہیں۔ جس مدرسہ میں وہ حسن اتفاق سے
تحصیل کے لئے پہنچا وُہ تمام مدارس اسلامیہ میں ممتاز اور سربرآوردہ
تھا اور جس دارالخلافہ میں وہ مدرسہ واقع تھا وہاں کی سوسائٹی اُسوقت
تقریباً تمام دنیا کی سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ شائستہ اور مُہذب تھی
اُس نے صرف درس و کتاب ہی سے استفادہ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ
زمانہ نے بھی اُس کی تادیب خاطر خواہ کی تھی۔ اُسکی عُمر کا ایک بہت بڑا
اور مفید حصّہ نہایت کٹھن اور دور دراز سفر کرنے اور دُنیا کے عجائبات
اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھنے میں بسر ہوا تھا۔ سلطنتوں کے پے درپے
انقلابات اور ملکوں کے متواتر تغیرات۔ ظالم بادشاہوں اور بیرحم عاملوں
کے ظلم وستم دیکھتے دیکھتے بنی نوع کی دلسوزی اور ہمدردی اُسکی طبیعت میں
راسخ ہو گئی تھی۔ بیسیوں خاندان اُسکی آنکھوں کے سامنے بنے اور بیسیوں
بگڑ گئے ایکبار جیسا کہ گلستان میں مذکور ہے شام میں اُس کے روبرو ایسا
انقلاب ہوا کہ وزیروں کی اولاد بھیک مانگنے لگی اور روستائی زادے وزارت
کے درجہ کو پہنچ گئے۔ ساتویں صدی میں جبکہ کامل عقل وہوش کے ساتھ
اُسنے اکیانویں برس بسر کئے تھے عجیب وغریب تماشے اُسکی نظر سے گُزر گئے
سلاطین کُردیہ کا خاندان جن کی سطوت وجلالت۔ ایشیا۔ افریقہ اور
یورپ میں یکساں مانی جاتی تھی اسی صدی میں تمام ہوا۔ سلاجقہ۔ قونیہ
اور خوارزم شاہیوں کی نہایت سخت لڑائی جس نے دونو سلسلوں کو

مضمحل کردیا اسی صدی میں ہوئی - پھر خوارزمیوں کی سلطنت جو بحیرۂ خزر اور جھیل یورال سے دریائے سندھ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی اسی صدی میں تاتاریوں[1] کے ہاتھ سے برباد ہوئی - بنی عباس کی خلافت سوا پانسو برس بعد اسی صدی میں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوئی اور بقول بعض مؤرخین کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کا خون مغلوں کی تلوار سے دجلہ کی ریتی میں بہ گیا - دمشق اور اسکندریہ کا قحط جسکا ذکر گلستان اور بوستان میں ہے اور مصر کا قحط جس میں حسب تصریح صاحب وصاف ایک ایک روٹی ہزار ہزار دینار کو بک گئی اور فارس کا قحط جس میں ایک لاکھ آدمی بھوکا مر گیا اسی صدی میں واقع ہوئے - اتابکان فارس کے خاندان پر اسی صدی میں زوال آیا - دار الملک شیراز جو شیخ کا مولد و مسکن تھا اسی صدی میں کئی بار قتل و غارت کیا گیا - فرقۂ اسمٰعیلیہ جو ڈیڑھ سے دو سو برس مشرق میں نہایت زور شور کے ساتھ حکمران رہا انکا خاتمہ تاتاریوں نے ایران میں اور

[1] اس معرکہ میں جیسا کہ شیخ نجم الدین دایہ نے مرصاد العباد کے دیباچہ میں لکھا ہے تاتاریوں نے صرف رَے اور اُسکے گرد و نواح میں تقریباً سات لاکھ مسلمان قتل اور اسیر کئے تھے اور خراسان کے چار شہر - بلخ - مرو - ہرات اور نیشاپور بالکل تاراج اور نابود ہوگئے اور اُن کے دائیں بائیں اکثر بستیاں قتل و غارت کا نشانہ ہوئیں -

کرُدوں نے شام میں ہمیشہ کے لئے اِسی صدی میں کیا۔ یہ تمام حوادث اور وقائع شیخ کے سامنے ظہور میں آئے تھے جنسے ایک صاحب بصیرت آدمی بے انتہا عبرت اور نصیحت حاصل کرسکتا ہے چنانچہ بغداد کا مرثیہ جو اُسنے عربی میں لکھا ہے اُسمیں کہتا ہے۔

دَعَی اللّٰہُ اِنسَانًا تَیَقَّظَ بَعدَھُم   لِاَنَّ مُصَابَ الزَّیدِ مِزجَرۃُ العَمرٗ

یعنی۔ خدا حمایت کرے اُس شخص کی جو خلافت عباسیّہ کے زوال کے بعد مُتنبّہ ہوگیا کیونکہ زید کی مُصیبت عمروؔ کے لئے تازیانہ ہے۔ یُورُپ کے مشہور مُصنّف بَک ملرصاحب کا قول ہے کہ مینے عُمدہ تعلیم صرف ایک اسکول یعنی مدرسۂ روزگار میں پائی ہے جسمیں محنت اور مُصیبت دو بڑے گرمجوش اور دلسوز اُستاد تھے۔

اِس کے سوا جیسی عُمدہ صُحبتیں شیخ کو میسّر آئی تھیں ویسی بہت کم آدمیوں کو میسّر آتی ہیں۔ شیخ کی عادت جیسا کہ ایک رسالہ[1] میں اُسکے فحوائے بیان سے معلُوم ہوتا ہے یہ تھی کہ عالمِ سفر میں وُہ جہاں جاتا تھا وہاں کے عُلما۔ صُلحا۔ مشائخ اور کاملین سے ضرور ملتا تھا۔ صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے کہ شیخ نے کثرت سے دانشمندوں اور عالموں کو دیکھا تھا۔ وُہ خود بھی بوستان میں کہتا ہے۔

تمتّع ز ہر گوشۂ یافتم   ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

اگرچہ ساتویں صدی ہجری میں جسمیں کہ شیخ کی جوانی اور بُڑھاپا گُزرا

---

[1] یہ رسالہ شیخ کے کُلّیات میں شامل ہے۔

تھا مسلمانوں کی علمی ترقیات اور فضائل و کمالات سابق کی نسبت بہت محدود ہو گئے تھے لیکن پھر بھی بلادِ اسلام میں ایک جمّ غفیر اعلیٰ درجہ کے مشائخ اور علما و حکما کا نظر آتا تھا - خصوصاً جن مُلکوں میں شیخ کی زیادہ آمد و رفت رہی ہے جیسے ایران - روم - شام - عراق - عرب اور مصر وغیرہ وہ اب بھی دینی اور دُنیوی علوم کے مرکز تھے ہمارے تذکروں سے ثابت ہوتا ہے کہ اِن مُلکوں میں جن لوگوں نے ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے آٹھویں صدی کے شروع تک وفات پائی ہے اور جنسے شیخ کا ملنا ممکن تھا اُن میں کم سے کم چار سو جلیل القدر عالم اور محقّق ایسے موجود تھے جو تمام بلادِ اسلام میں مانے گئے ہیں اور جن کی تصنیفات ابتک مسلمانوں میں نہایت عظمت کے ساتھ تسلیم کی جاتی ہیں - جیسے شیخ محی الدین ابن العربی - خواجہ نصیر الدین طوسی - شیخ صدر الدین قونوی مولانا جلال الدین رومی - ابن تیمیہ حرّانی - امام یافعی شیخ ابوالحسن شاذلی شیخ تاج الدین قسطلانی - شیخ شہاب الدین سہروردی - شیخ ابن فارض - شیخ اوحد الدین کرمانی - قاضی ابن خلکان - شیخ الاسلام تقی الدین ابن الصلاح - خواجہ علاء الدین سمنانی - علّامہ قطب الدین شیرازی - امام محی الدین نووی - قاضی ناصر الدین بیضاوی - ابن عساکر فقیہ شافعی وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے سیکڑوں جلیل القدر علما اور مشائخ شیخ کی نظر سے گزرے تھے اور اُن کے علاوہ جیسا کہ گلستان اور بوستان سے ثابت ہوتا ہے وہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا اور اُنکی

صحبت سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔ جسطرح وہ فقرا اور مشائخ کے حلقوں
میں بیٹھتا تھا۔ اسی طرح اُمرا کی مجلسوں اور بادشاہوں کے دربار میں شریک
ہوتا تھا۔ کبھی وہ احرار اور ابرار کی صحبت سے مستفیض ہوتا تھا اور کبھی
اوباش و الواط کے جلسوں کا تماشائی تھا۔ نہ اُسکو شراب خانے میں جانے
سے عار تھا نہ بُت خانے میں رہنے سے ننگ تھا۔ اُسی نے جامع بعلبک
میں مُدّتوں وعظ کہا تھا اور وہی بُت خانہ سومنات میں ایکمدت تک پوجاری
رہا کبھی وہ بصرہ کے نخلستان میں یاروں کے ساتھ کھجوریں توڑتا نظر آتا تھا۔
اور کبھی فلسطین کی بستیوں میں پیاسوں کو پانی پلاتا پھرتا تھا۔ غرضکہ اُسکی
تمام عمر فضایل انسانی اور نیرنگیِ روزگار کے مطالعہ میں بسر ہوئی تھی۔ اِسی
سبب سے یوروپ کے بعض مُصنّفوں نے اُسکو گریٹ مورلسٹ کہا ہے
اور اِسی وجہ سے اخلاق بشری کی تصویر جس عُمدگی کے ساتھ اُسنے اپنے
کلام میں کھینچی ہے ویسی آجتک ایران کے کسی شاعر سے نہیں کھچ سکی
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شعرائے ایران میں جسقدر عمر شیخ نے پائی
ہے ظاہرا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جہانتک ہماری تحقیق سے
ثابت ہوتا ہے اُسنے ایکسو بیس برس اس قفس عنصری میں بسر کئے
ہیں۔ اگرچہ ہر علم وفن میں کمال کا درجہ حاصل کرنے کے لئے
زیادہ عمر پانی ضرور ہے مگر شاعر کے لئے سب سے زیادہ اِس بات کی
ضرورت ہے۔ شاعر جسقدر بڈھا ہوتا جاتا ہے شاعری جوان ہوتی
جاتی ہے اگرچہ شیخوخت کے مرتبہ کو پہنچکر شاعر کے فکر میں بلند پروازی

نہیں رہتی لیکن بلاغت جو شاعری کا رکن اعظم ہے کمال کو پہنچتی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ جن شاعروں نے تھوڑی عمر پائی ہے گو کہ انکی قابلیت و استعداد اعلیٰ درجہ کی تھی مگر اُن کی شاعری میں ضرور کچھ نہ کچھ نقصان رہ گیا - جیسا کہ عرفی شیرازی کی نسبت شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ "غنچہ استعدادش ناشگفتہ ماند" ایک نوجوان شاعر جسکی طبیعت میں کمال جودت اور بلند پروازی ہو بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شوخ چالاک اَلھڑ بچھیرا جسکی بھاگ دوڑ اور جست وخیز اکثر بے اصول اور خلاف قاعدہ ہوتی ہے اور ایک مُعمّر سن رسیدہ شاعر گو اُسکی فکر کیسی ہی پست اور محدود ہو اُس شائستہ اور سُدھے ہوئے گھوڑے کے مانند ہے جو کبھی بے اصول قدم نہیں اُٹھاتا - الغرض شاعری کے لئے جتنی ضروری شرائط درکار ہیں وہ سب خدا تعالیٰ نے شیخ کی ذات میں جمع کر دی تھیں -

شاعری کی بنیاد زیادہ تر چار چیزوں پر ہے ایک یہ کہ شاعر کے خیالات کم و بیش کسی حقیقت واقعیہ پر نہ کہ محض اختراع ذہن پر مبنی ہونے چاہئیں ورنہ شعر میں کچھ تاثیر نہ ہوگی - دوسرے وہ ایسے خیالات ہوں جن میں عام خیالات کی نسبت ایک قسم کی ندرت اور نرالا پن اور تعجب پایا جائے ورنہ معمولی بات چیت میں اور شعر میں کچھ فرق نہ ہوگا تیسرے یہ کہ خیالات عمدہ لباس میں ظاہر کئے جائیں کیونکہ خیال کیسا ہی عمدہ ہو اگر مناسب لفظوں میں ادا نہ کیا جائے تو دائرہ شاعری سے خارج

ہوگا۔ چوتھے شاعر کے دل میں جبکہ وُہ کسی مضمون پر شعر لکھ رہا ہے کم و بیش اُس مضمون کا جوش اور وَلولہ موجُود ہونا چاہیے ورنہ شعر نہایت کمزور ہوگا یہ چاروں باتیں جیسی شیخ کی شاعری میں پُوری پُوری پائی جاتی ہیں ویسی ایران کے کسی اَور شاعر میں مُشکل سے پائی جائیں گی۔ اگرچہ بعض کے کلام میں یہ تمام خاصیتیں موجود ہیں لیکن اُنکا کلام چونکہ نہایت محدود اور ایک خاص صنف میں منحصر ہے جیسے خواجہ حافظ شیرازی کی غزل۔ اِسلئے ہم اُنکو شیخ کا ہم پلّہ نہیں سمجھتے۔

شیخ کو اور شعرا پر اِس سبب سے بھی بہت بڑی فوقیت ہے کہ اُس کی نظم و نثر دونو مُسلّم الثبوت ہیں۔ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوگی کہ ایران میں جتنے مُسلّم الثبوت شعرا گذرے ہیں اُن میں شیخ کے سوا ایک بھی ایسا نہیں ہے جسکی نثر کو مثل نظم کے جمہور نے تسلیم کیا ہو اگرچہ ہندوستان میں نورالدین ظہوری کو بھی نظم و نثر کا جامع مانتے ہیں لیکن اہلِ ایران اُس کی نظم و نثر دونوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ بیشک اُسکی سہ نثر کے اکثر فقرے بادیِ النظر میں نہایت دلفریب ہیں جیسے

سُنبل حرفش از آہِ ناشکیباں   بنفشۂ نقطہ اش از خالِ دلفریباں

از رشحِ طراوتِ کلماتش ہر سطر مالا مال آبِ حیات خضر تشنہ لب سیرابی ادا مسیحا مُردۂ جاں بخشی ہوا نکتہ ہائے برجستہ غنچہ ہائے سربستہ۔ نثرش نثرہ رفعت۔ شعرش شعری مرتبت۔ ہر صفحہ چمنے و ہر سطرے نخلے برکش لفظِ دلکش و بارش معنی بے غش ہر حرفش فصلے و ہر فرعش اصلے،

اسی طرح سہ نثر کے اور بہت سے فقرے الفاظ پرستوں کو نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں الفاظ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ؎

خوب اند و خوش اند و بُو ندارند

بخلاف اسکے شیخ نے گلستان میں اس سے بہت زیادہ دلاویز و دلکش الفاظ میں حقائق واقعیہ کو بیان کیا ہے یہ بات گلستان کے سوا کسی فارسی نثر میں آجتک نہیں دیکھی گئی مثلاً

"در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی ۔ قطرے داشتم بہ روسے وگزرے داشتم بہ کوسے ۲ اے برادر حرم در پیش و حرامیاں از پس اگر رفتی بردی واگر خفتی مُردی ۳ آزردن دل دوستاں جہل ست وکفارۂ یمین سہل ۴ تو کہ چراغ نہ بینی بچراغ چہ بینی ۵ طریق درویشان ذکرست وشکر و خدمت وطاعت وایثار وقناعت و توحید و توکل وتسلیم وتحمل ۔ ہرکہ بدیں صفتہا موصوف ست بحقیقت درویش ست ۔ اگرچہ درقباست ۔ امّا ہرزہ گردے بے نمازے ہوا پرستے ہوس بازے کہ روزہا بہ شب آرد در بند شہوت وشبہا روز کند در خواب غفلت وبخورد ہرچہ درمیان آید وبگوید آنچہ برزبان آید رند ذلیق ست اگرچہ در عباست ۶ پدر را عسل بسیارست امّا پسر گرمی دار است ۷ صیاد بے روزی در دجلہ ماہی نگیرد وماہی بے اجل برخشکی نمیرد ۸ گوئی خردۂ مینا بر خاکش ریختہ وعقد ثریا از تاکش درآویختہ ۹ عصارۂ تاکی بقدرتش شہد فائق شدہ وتخم خرما بہ یمن تربیتش نخل باسق گشتہ ،،

نظم و نثر کے جامع فارسی زبان ہی میں نادر الوجود نہیں ہیں بلکہ ہر زبان میں یہی حال ہے انگریزی میں باوجودیکہ لٹریچر کی ترقی انتہا کے درجہ کو پہنچ گئی ہے صرف گنتی کے آدمی ایسے ہیں جن کو نظم اور نثر دونو میں تمام اہل فن کے نزدیک قبولیت حاصل ہوئی ہے - بعضے ملٹن کو اور بعضے سکاٹ کو اور بعضے اور ایک آدھ آدمی کو نظم و نثر کا جامع خیال کرتے ہیں - پس شیخ کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے کہ ایران میں صرف اُسی کی نظم و نثر دونوں ایسی ہیں جنکو تمام اہل زبان نے تسلیم کیا ہے -

شیخ نے بھی تغزّل یعنی عاشقانہ اشعار کی بُنیاد تمام شعراے ایران کی طرح اَمرَدُوں اور سادہ رخوں کے عشق ہی پر رکھی ہے - لیکن یہ بات جَیسی کہ بادی النظر میں مذموم اور قبیح معلوم ہوتی ہے حقیقت میں ایسی نہیں ہے اور صرف اس بنا پر شیخ یا ایران کے اور شعرا پر امرد پرستی کا الزام لگانا بیجا ہے - فارسی زبان میں اور اُس کی پیروی سے اردو زبان میں بھی ہمیشہ سے شاعری کا یہ طریقہ رہا ہے کہ شاعر مرد ہو یا عورت - رند ہو یا صوفی - خدا کا عاشق ہو یا مخلوق کا مرد کا عاشق ہو یا عورت کا بلکہ سرے سے عاشق ہو یا نہو ہمیشہ غزل ایسے عنوان سے لکھتا ہے جس سے معلوم ہو کہ شاعر کسی پر عاشق ہے اور وہ اور اُس کا معشوق دونوں مرد ہیں - اسی طرح ہندی میں شاعر مرد ہو یا عورت دُنیادار ہو یا تارک دُنیا عشق حقیقی رکھتا ہو یا عشق مجازی - مرد کا عاشق ہو یا عورت کا ہمیشہ عاشقانہ

نظم ایسے طور پر لکھتا ہے جس سے ثابت ہو کہ شاعر عورت ہے اور اُس کا معشوق مرد ہے۔ اسی طرح عربی میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت فرض کر لیتا ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص تینوں زبانوں میں شعر کہنے پر قادر ہو تو اس غریب کو ہر زبان کے دستور کے موافق کہیں آپ کو مرد اور معشوق کو عورت اور کہیں آپ کو عورت اور معشوق کو مرد اور کہیں آپ اور معشوق دونوں کو مرد قرار دینا پڑے گا۔ حضرت امیر خسرو دہلوی کی فارسی غزلوں سے صاف یہ پایا جاتا ہے کہ وہ کسی سادہ رُخ لڑکے پر فریفتہ ہیں اور اُن کے ہندی دوہروں سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی عورت اپنے پیارے خاوند یا دوست کے عشق یا جدائی میں بیتاب ہے اور عربی قصاید کی تشبیبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مرد اپنی زوجہ یا محبوبہ کی یاد میں مضطر و بیقرار ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام فرضی اور اصطلاحی عنوان بیان ہیں جنکو حقیقت واقعی سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ جس طرح ہزاروں پارسا اور پرہیزگار شاعر جنھوں نے نہ کبھی شراب کا مزا چکھا نہ اُسکی صورت دیکھی نہ اُس کی بُو سونگھی صدہا شعر شراب و کباب کے مضمون کے لکھتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں پاکباز اور صاحب عفت شعر لکھتے وقت تھوڑی دیر کو امرد پرست اور شاہد باز بنجاتے ہیں۔ البتہ اس سے مشرقی شاعری کی حد سے زیادہ بے اعتباری پائی جاتی ہے جس کے اصول اور فروع سب تصنع اور بناوٹ اور ادعاے محض پر مبنی ہیں۔ لیکن

شیخ سعدی اور مولنا روم اور امیر خسرو اور خواجہ حافظ اور تمام شعرائے متصوفین اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ لوگ اکثر عشق مجازی کے پیرایہ میں اپنے واردات اور حالات اور حقائق واقعیہ بیان کرتے ہیں۔ بعض اشخاص یہ خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے کلام کو جس میں بظاہر تمام خال وخط اور شراب وشاہد کے مضامین درج ہیں حقیقی معنوں پر محمول کرنا اور اس سے شاہد حقیقی کے شیون وصفات مراد لینی صرف ایک ملایانہ گھڑت ہے جس میں سراسر تکلف اور بناوٹ پائی جاتی ہے۔ مگر ایسا خیال وہی لوگ کرسکتے ہیں جو کوچہ شاعری سے نابلد ہیں۔ کنایہ ہمیشہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور دوست کا ذکر ہمیشہ اغیار سے چھپایا جاتا ہے چنانچہ حضرت مولانا روم مثنوی میں صاف صاف فرماتے ہیں۔

خوشتر آں باشد کہ ستر دلبراں ۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں

شعرائے متصوفین کے اشعار اگر حقیقی معنوں پر محمول نہ کئے جائیں تو اُن میں وہ کرشمہ جسنے ایک عالم کے دلکو تسخیر کیا ہے باقی نہیں رہتا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ مولانا محمد شیریں جو کہ مولانا مغربی کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا دیوان غزلیات متصوفانہ اشعار میں مشہور ہے اُن کے سامنے کسی نے اُن کے معاصر شیخ کمال اسمعیل خجندی کا یہ مطلع پڑھا۔

چشم اگر اینست وابرو این وناز وعشوہ این ۔ الوداع اے زہد وتقویٰ الفراق اے عقل ودین

مولانا نے سُنکر کہا ایسا شعر کہنا کیا ضرور ہے جو معنی مجازی کے سوا کوئی اور محمل نہ رکھتا ہو۔ شیخ نے بھی یہ بات سُنی اور ایک موقع پر مولانا کے سامنے ذکر چھیڑ کر کہا کہ چشم اور عین مُرادف لفظ ہیں پس عین سے ذاتِ الٰہی مُراد لی جا سکتی ہے اور ابرو حاجب کا مرادف ہے پس ممکن ہے کہ حاجب سے صفاتِ الٰہی جو کہ حاجبِ ذات ہیں مُراد لیجائیں۔ مولانا نے اِس توجیہ کو تسلیم کیا اور شیخ کے بیان کی داد دی " خواجہ حافظ کی نسبت اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ " یہ شخص لسان الغیب اور ترجمان الاسرار ہے۔ اُس نے اکثر اسرارِ غیبی اور معانیِ حقیقی مجاز کے لباس میں ایسی خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کسی اور سے ایسا بیان نہیں ہو سکا " پھر اکابرِ صوفیہ میں سے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے جو کہ صوفیہ کے حق میں دیوان حافظ کو تمام دیوانوں سے بہتر بتاتے تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ تغزل کا یہ طریقہ خواجہ حافظ وغیرہ نے شیخ سعدی شیرازی کے تتبع سے حاصل کیا ہے۔

البتہ ایران کی شاعری میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اُنھوں نے تغزل کی بُنیاد امرد پرستی پر کیوں رکھی ہے۔ عرب کی شاعری میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت اور ہندی میں اپنے کو عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہیں اور یہ دونو طریقے نیچر کے مطابق ہیں مگر مرد کا مرد پر عاشق و فریفتہ ہونا اور اُس سے وصل کا طالب اور کامجو ہونا اگرچہ محض زبانی جمع خرچ کیوں نہو ایک ایسا طریقہ ہے جس سے فطرتِ انسانی

بالکل اِبا کرتی ہے - ہمارے نزدیک اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان میں عربی اور ہندی زبان کی طرح تذکیر و تانیث کا تفرقہ نہیں ہے - اُسمیں ضمیریں اور افعال اور صفات مرد اور عورت دونو کے لئے یکساں لائی جاتی ہیں - پس ممکن ہے کہ قدیم فارسی میں بھی ہندی کی طرح شعرا اپنے تئیں عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہوں لیکن اس سبب سے کہ شاعر عموماً مرد ہوتے تھے اور ضمائر یا افعال وغیرہ سے یہ ثابت نہ ہوتا تھا کہ شاعر نے اپنے تئیں مرد فرض کیا ہے یا عورت رفتہ رفتہ یہ خیال پیدا ہوگیا ہو کہ فارسی میں عاشق اور معشوق دونوں مرد فرض کئے جاتے ہیں - میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر کامل غور اور توجہ سے دیکھا جاوے تو یہ ایک ایسی توجیہ ہے جس کے صحیح ہونے میں کچھ تھوڑا ہی سا شبہہ باقی رہ جاتا ہے - اِسکے سوا دوسری وجہ یہ بھی خیال میں آتی ہے کہ جب مسلمان عرب سے نکلکر اطراف و جوانب میں پھیلے تو بسبب اِسکے کہ اُن کے ہاں عورتوں کا مردوں سے چھپانا مذہبی فرائض میں سے تھا غیر قوموں کے میل جول سے عورتوں کے باب میں اُنکی غیرت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی - خصوصاً مسلمان بادشاہوں میں اِس غیرت کا ظہور سب طبقوں سے زیادہ تھا - ڈاکٹر برنیر فرانسیسی جو ہندوستان میں پندرہ سولہ برس عالمگیر کے ساتھ رہا ہے اپنے وقائع سفر میں لکھتا ہے "ہندوستان میں جب بادشاہ سفر کرتا تھا تو بیگمات کی سواری کے نزدیک کوئی شخص اگرچہ کیسا ہی ذی رتبہ اور صاحب اعتبار ہو نہیں جانے پاتا تھا اور نہ بالضرور خواجہ سراؤں اور

اور خواصوں کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی کے ساتھ پٹتا تھا - اور ایران میں سُنا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیگمات کی سواری سے آدھے فرسنگ کے فاصلہ پر نظر پڑ جاتا تھا تو اُسکی سزا موت کے سوا کچھ نہ تھی اور جس شہر یا گانو میں سے بیگمات کی سواری نکلتی تھی وہاں کے تمام مرد اور عورت اپنے اپنے مقام اور مسکن چھوڑ کر چلے جاتے تھے" شاید اس بیان میں کچھ مبالغہ ہو مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے باب میں مسلمان بادشاہوں کی غیرت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی - چونکہ شعرا اکثر بادشاہوں کے مداح اور مصاحب ہوتے تھے اسلئے وہ کوئی بات سلاطین کے مقتضائے مزاج کے خلاف شعر میں درج نہ کر سکتے تھے پس نہایت قوی گمان ہے کہ شعرا نے غزل اور تشبیب میں عورتوں کے حسن و جمال کا ذکر اور جو جو معاملات عشق کے زمانہ میں عاشق و معشوق کے درمیان واقع ہوتے ہیں اُنکو صاف صاف بیان کرنا سلاطین کی حمیت اور غیرت کے برخلاف سمجھا ہو اور اسلئے تمام عشقیہ مضامین امردوں اور سادہ رُخوں پر ڈھالے گئے ہوں - سلاطین مغلیہ میں سے جہانگیر کے عہد میں جو ایک واقعہ گزرا ہے وہ اس خیال کی تائید کرتا ہے - ایک موقع پر جہانگیر کے روبرو قوال امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی غزل گا رہا تھا اور بادشاہ اُس کو سنکر بہت محظوظ ہو رہا تھا - جب قوال نے یہ شعر گایا *

"تو شبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب — کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد"

بادشاہ دفعۃً بگڑ گیا اور قوّال کو فوراً پٹوا کر نکلوا دیا اور اِسقدر برہم ہوا کہ تمام ندیم اور خواص خوف سے لرزنے لگے اور فوراً ملّا نقشی مُہر کن کو جنکا بادشاہ بہت لحاظ کرتا تھا بُلا کر لائے تاکہ وُہ کسی تدبیر سے بادشاہ کے مزاج کو دھیما کریں۔ جب وُہ سامنے آئے تو بادشاہ کو نہایت غیظ و غضب میں بھرا پایا۔ عرض کیا۔ حضور خیر باشد۔ بادشاہ نے کہا دیکھو امیر خسرو نے کیسی بے غیرتی کا مضمون شعر میں باندھا ہے۔ بھلا کوئی غیرت مند آدمی اپنی محبوبہ یا منکوحہ سے ایسی بے غیرتی کی بات کہہ سکتا ہے؟ ملّا نقشی نے ایک نہایت عُمدہ توجیہ سے اُسی وقت بادشاہ کا غصّہ فرو کر دیا۔ اُنھوں نے کہا کہ امیر خسرو نے چونکہ ہندوستان میں نشو و نما پایا تھا اِسلئے وہ اکثر ہندوستان کے اصول کے موافق شعر کہتے تھے یہ شعر بھی اُنھوں نے اُسی طریقہ پر کہا ہے۔ گویا عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ تو رات کو کسی غیر عورت کے ہاں رہا ہے کیونکہ اب تک تیری آنکھوں میں نشہ کا یا نیند کا خمار پایا جاتا ہے۔ یہ سُنکر بادشاہ کا غیظ و غضب فوراً جاتا رہا۔ اور پھر گانا بجانا ہونے لگا۔

اگرچہ شیخ یا اور شعراے ایران کے عاشقانہ اشعار سے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُن کی امرد پرستی اور شاہد بازی پر اِستدلال نہیں ہو سکتا۔ لیکن اِس میں شک نہیں کہ گلستان کے پانچویں باب کی بعض حکایتوں اور نیز شیخ کے اکثر اشعار سے صاف پایا جاتا ہے کہ عشق و محبت اُس کی سرشت میں تھا اور کسی نہ کسی وقت میں اُسکو

سادہ رُخوں اور امردوں کی طرف میلانِ خاطر رہا ہے - مگر اس بات کو میں کسی بڑی معنی پر محمول نہیں کرتا - صوفیہ کے حالات جو نفحات وغیرہ میں لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک عشقِ مجازی بشرطیکہ پاک اور بے عیب ہو سالک کے لئے ایک بہت بڑا ذریعہ ترقی باطنی کا ہے اور اکثر بڑے بڑے مشائخ اور عُرفا میں یہ خصلت پاکدامنی اور عِفّت کے ساتھ دیکھی گئی ہے - شیخ نے جس طرح اپنے عاشق مزاج ہونے کا جا بجا اقرار کیا ہے اسی طرح ناپاک عشقبازی اور ہوا وہوس سے بیسیوں جگہ اپنی برات بھی کی ہے چنانچہ ایک جگہ غزل میں کہتا ہے ؎

گر نظرِ صدق را نام گنہ مے نہند　　　حاصلِ ما ہیچ نیست جز گنہ اندوختن

تمام شُد

اشتہار

مفصلہ ذیل کتابین لاہور مین منشی فضل الدین صاحب کتب فروش بازار کشمیری کی دوکان سے (جہان ہر قسم کی کتابون کا ذخیرہ بغرض فروخت موجود رہتا ہے) اور دہلی مین مجھکو سید عبدالعلی صاحب مقیم گلی قاسم جان اندر دو کنوئین سے مل سکتی ہین قیمت یا بذریعہ منی آرڈر آنی چاہیے یا پیکیٹ ویلیو پی ایبل روانہ کیا جائیگا۔

نام کتاب	قیمت	محصول
شکوہ ہند	۲ر۶ پائی	۰ر
مثنوی حقوق اولاد	۲ر۶ پائی	۰ر
حیات سعدی	عہ	۱۰ر
دیوان رقعات نواب مصطفےٰ خان مرحوم متخلص حسرتی	عہ۸ر	۲ر
مسدس حالی مع ضمیمہ و فرہنگ	۱۲ر	۱ر
مناجات بیوہ	۲ر	۰ر

المشتہر۔ الطاف حسین حالی

از دہلی کوچۂ پنڈت